نماز میں
ہاتھ * کب؟ کہاں؟ کیسے؟

تالیف و پیشکش

حضرت مولانا محمد منیر قمر

ترجمان سپریم کورٹ الخبر، سعودی عرب

ترتیب و تخریج

آنسہ نادیہ قمر



مکتبہ کتاب و سنت

نماز میں ہاتھ

کب؟ کہاں؟ کیسے؟

تصنیف وتالیف

الشیخ محمد منیر قمی حفظہ اللہ

ترجمان شریم کورٹ الخبر، سعودی عرب

ترتیب وتبییض

آنسہ نادیہ قمر

نشر وتوزیع

مکتبہ کتاب وسنت

ریحان چیمہ۔ تحصیل ڈسکہ۔ سیالکوٹ، پاکستان 0300-6439697

نام کتاب ——— نماز میں ہاتھ کہاں باندھیں؟

تالیف و پیشکش ——— الشیخ محمد منیر قمر حفظہ اللہ

ترتیب و تدوین ——— آنسہ نادیہ قمر

کمپوزنگ ——— آنسہ نادیہ قمر

سیٹنگ ——— حافظ عابد الٰہی تنویر الہدیٰ

طبع اول ——— فروری 2010ء - 1431ھ

اہتمام طباعت ——— غلام مصطفیٰ فاروق

سٹاکسٹ ——— کتاب سرائے

فرسٹ فلور الحمد مارکیٹ اردو بازار لاہور 042-7320318

مکتبہ کتاب و سُنّت

ریحان چیمہ تحصیل سمبڑیال - سیالکوٹ، پاکستان

0300-6439897

Email: m_k_sunnat@yahoo.com

فہرست

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ .

اَمَّا بَعْـــــدُ :

قارئین کرام ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نماز اسلام کے ارکان اور بنیادی فرائض میں سے ہے روزانہ کم از کم پانچ مرتبہ ادائیگی فرض ہے ۔ اس کی ادائیگی کا انداز کیا ہونا چاہیئے ؟ اس سلسلہ میں قرآنِ کریم کے بعد دنیا کی صحیح ترین کتاب صحیح بخاری شریف میں نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

((صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ اُصَلِّيْ)) ①

''تم نماز اس طرح ادا کرو جس طرح تم نے مجھے نماز ادا کرتے دیکھا ہے۔''

نماز کی ادائیگی میں مختلف اوقات ومواقع پر ہاتھوں کی کیفیت ومقام بدلتا رہتا ہے اوران تمام کیفیات کا سنتِ رسول ﷺ کے مطابق ہونا ضروری ہے۔

زیرِ نظر کتاب ''نماز میں ہاتھ کہاں باندھیں؟'' انہی کیفیات کے قدرے تفصیلی تذکرے پر مشتمل ہے، یہ دراصل ہماری ان چند تقاریر کا مجموعہ ہے جو ایک عرصہ قبل متحدہ عرب امارات (UAE) کے ریڈیو ام القیوین کی اردو سروس سے ہم

---

① (بخاری: ٦٣١)

نے اپنے روزانہ اسلامی پروگرام ''دین ودنیا'' سے نشر کی تھیں اور ریڈیو کے بعد آڈیو کیسٹ اور پھر آڈیو سی ڈیز کے ذریعے بھی یہ مواد لوگوں تک پہنچ رہا ہے اور اب اسے ہماری دخترِ نیک اختر آنسہ نادیہ قمر نے مرتب وکمپوز بھی کر دیا ہے تا کہ زیر نظر کتاب کی شکل میں بھی آپ تک پہنچائی جا سکے۔

فَجزَاهَا اللّٰهُ خَيراً فِي الدُّنيَا وَ الآخِرَةِ وَوَفَّقَهَا لِكُلِّ خَيرٍ وَتَقَبَّلَ مِنهَا

اس کتاب کی طباعت واشاعت میں ہمارے جن دوست واحباب اور خصوصاً ڈاکٹر شمیم عبدالمجید حسن (سنٹرل ہسپتال، الدمام) نے ہمارے ساتھ تعاون کیا ہے اللہ تعالیٰ ان کے اہل وعیال، دولت ومال اور ایام واعمال میں برکت فرمائے۔

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ ہماری اس محنت کو شرفِ قبول عطا فرمائے اور اسے ہمارے اور ہماری دخترِ عزیز کیلئے دنیا وآخرت کی کامیابی ونجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین

اسی طرح ہم اپنے اشاعتی ادارہ مکتبہ کتاب وسنت، ریحان چیمہ سیالکوٹ، پاکستان کے مدیر مولانا غلام مصطفیٰ فاروق کے بھی بے حد مشکور ہیں۔ جنہوں نے اس کتاب کی طباعت واشاعت میں بھرپور محنت کی، اور کتاب کو ظاہری ومعنوی محاسن سے آراستہ کیا۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابو عمران محمد منیر قمر نواب الدین

ترجمان سپریم کورٹ ،الخبر ۲۰/٦/١٤٣٠ھ

و داعیہ متعاون ، مراکزِ دعوت و ارشاد ١٣/٦/٢٠٠٩ء

الخبر ، الظہران ، الدمام

(سعودی عرب)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نماز میں ہاتھ کب؟ کہاں؟ کیسے؟

تکبیرِ اولیٰ (تحریمہ) کے وقت رفع یدین:

جب آپ کسی نماز کے لیے قبلہ رو کھڑے ہو جائیں تو رفع یدین کرتے ہوئے یعنی دونوں ہاتھوں کو کندھوں یا کانوں تک اٹھاتے ہوئے تکبیرِ تحریمہ یعنی اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہیں۔ تکبیرِ تحریمہ کے ساتھ ہی دونوں ہاتھوں کو کانوں تک یا کم از کم کندھوں تک اٹھانا چاہیے' جسے رفع الیدین کرنا کہا جاتا ہے۔ اور یہ پہلی مرتبہ والا رفع الیدین متفق علیہ ہے اور تمام معروف مذاہب میں سے کسی کا بھی اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

اور اس رفع الیدین کا ذکر بھی بکثرت احادیث میں آیا ہے۔ مثلاً:

① ایک تو حضرت ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ والی معروف حدیث ہے جس میں وہ دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین بیٹھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی کیفیت وطریقہ بیان کرتے ہیں۔ ان کی حدیث کے الفاظ میں ہے:

((رَاَيْتُهُ اِذَا كَبَّرَ جَعَلَ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ)) ①

''میں نے دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تکبیر (تحریمہ) کہی تو اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر تک اٹھایا۔''

② انہی سے مروی دوسرے صیغے میں وہ بیان کرتے ہیں:

((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذا قامَ اِلَى

---

① (بخاری ۲/۳۰۵' ابو داود ۲/۴۲۱' الارواء ۲/۱۳)

الصَّلٰوةِ اِعْتَدَلَ قَائِمًا وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ)) ①

''نبیٔ اکرم ﷺ جب نماز پڑھنے لگتے تو سیدھے کھڑے ہو جاتے اور دونوں ہاتھ اٹھاتے، یہاں تک کہ انہیں اپنے دونوں کندھوں کے برابر تک لے جاتے۔''

③ ایسے ہی حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے:

((كَانَ اِذَا دَخَلَ فِي الصَّلٰوةِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ……))

''وہ جب نماز شروع کرتے تو تکبیرِ تحریمہ کہتے اور رفع یدین کرتے تھے۔''

((وَرَفَعَ ذٰلِكَ ابْنُ عُمَرَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)) ②

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے اس فعل کی بنیاد نبیٔ اکرم ﷺ کا عملِ مبارک قرار دیا ہے۔''

④ ایک حدیث میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

((رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ افْتَتَحَ التَّكْبِيْرَ فِي الصَّلٰوةِ فَرَفَعَ يَدَيْهِ حِيْنَ يُكَبِّرُ حَتّٰى يَجْعَلَهُمَا حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ))

''میں نے نبیٔ اکرم ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ ﷺ نے تکبیرِ تحریمہ سے نماز

---

① (ابو داود ۲/۲۱۱، ۲۱۲، ۱۰۶، ۴۱۶۔ صحیح الترمذی ۱/۹۶، صحیح ابن ماجة ۱/۱۷۴ محلی ۴/۹۱۔ جزء رفع الیدین امام بخاری، ص ۳۷، ۳۸)

② (بخاری ۲/۲۲۱، حدیث (۷۳۹))

کا آغاز کیا اور تکبیر کہتے وقت اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے کندھوں کے برابر تک اٹھایا۔'' ①

کندھوں یا کانوں تک:

یہ احادیث جو ذکر کی گئی ہیں' ان میں سے بعض میں تو مطلق رفع یدین کا ذکر آیا ہے' اور اس بات کی تعیین نہیں آئی کہ ہاتھوں کو کہاں تک اٹھانا ہے؟ جبکہ ان میں سے ہی تین احادیث میں ہاتھوں کو اٹھانے کی حد یعنی کندھوں کا بھی ذکر آیا ہے' جیسا کہ ان احادیث میں سے پہلی حدیث میں ((حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ')) دوسری حدیث میں ((حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ')) اور چوتھی حدیث میں حَتّٰى ((يَجْعَلَهُمَا حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ)) کے الفاظ اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ رفع یدین کے لئے ہاتھوں کو دونوں کندھوں کے برابر تک اٹھانا چاہیے' جبکہ بعض دوسری احادیث ایسی بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رفع یدین کے لئے دونوں ہاتھوں کو کانوں کے برابر تک اٹھانا چاہیے۔ جیسا کہ حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے جس میں وہ بتاتے ہیں:

((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا كَبَّرَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا اُذُنَيْهِ)) ②

''نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب تکبیر کہتے تو دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے حتیٰ کہ دونوں کانوں کے برابر لے جاتے تھے۔''

---

① (بخاری حدیث (٧٣٨)۔ مسلم ٩٣/٤۔ صحیح ابو داؤد حدیث (٦٦٣)۔ صحیح ترمذی حدیث (٢١٠)۔ صحیح نسائی حدیث (٨٤٤)۔

② (مسلم ٩٤/٤/٢۔ صحیح نسائی حدیث (٨٤٨)۔ ابن ماجة (٨٥٩)۔ الفتح الربانی ٢٢١/٢)۔

جبکہ ایک حدیث میں ہے:

((حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا فُرُوْعَ اُذُنَيْهِ)) ①

''یہاں تک کہ آپ ﷺ دونوں ہاتھوں کو کانوں کی چوٹیوں تک اٹھاتے تھے۔''

یہاں یہ بات پیشِ نظر رکھیں کہ حدیث میں ((فُرُوْعَ اُذُنَيْهِ)) کے الفاظ آئے ہیں اور اس فروع کا معنیٰ کانوں کی چوٹیاں ہیں جو کانوں کی اوپر والی بالائی جانب ہے' نہ کہ نیچے والی لویں' کیونکہ کانوں کی لوؤں کے لیے شحمة کا لفظ آتا ہے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ہاتھوں کو اٹھانے کی حدود تین مقامات ہیں:

① کندھوں تک ② کانوں تک

③ کانوں کی چوٹیوں تک

بلاتفریق مَرد و زَن کندھوں یا کانوں تک ہاتھوں کو اٹھایا جائے۔ کوئی مرد کندھوں تک ہاتھ اٹھائے یا کانوں تک اور کوئی عورت کانوں تک ہاتھ اٹھائے یا کندھوں تک ہر طرح جائز و روا ہے۔ علامہ نووی و حافظ ابن حجر نے امام شافعی رحمہ اللہ سے ہاتھوں کو اٹھانے کی مقدار کے بارے میں وارد ہونے والی مختلف احادیث کو یکجا جمع کرنے اور ان سب پر بیک وقت عمل کرنے کا ایک طریقہ نقل کیا ہے جس کے بارے میں لکھا ہے کہ اس طریقہ یا ترکیب کو سبھی علماء وفقہاء نے بنظرِ استحسان دیکھا ہے' اور وہ یوں کہ نمازی اپنے ہاتھوں کو اپنے کندھوں تک اس انداز سے اٹھائے کہ ہاتھوں کی انگلیوں کے پَورے کانوں کی چوٹیوں یا اوپر والے حصوں کے برابر ہو جائیں اور دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے دونوں کانوں کی نچلی لوؤں تک پہنچ جائیں اور دونوں

① (مسلم ٤/٩٥۔ صحیح نسائی ١/١٩٢ حدیث (٨٤٩)

ہتھیلیاں کندھوں کے برابر ہوں۔ ①

موصوف کی اس جمع و تطبیق اور مطابقت وموافقت کو اگرچہ تمام علماء وفقہاء نے بنظرِ استحسان دیکھا ہے، لیکن یہ ضروری بھی نہیں ہے۔ اگر کسی کو آسانی سے اس کا تجربہ ہو جائے تو فبہا، ورنہ کسی ایک طریقے پر عمل بھی جائز ہے۔ ویسے بھی ابوداؤد کی جن دو روایتوں میں سے ایک میں ((وَحَاذِی اِبْهَامَيْهِ اُذُنَيْهِ)) اور دوسری میں ((يَرْفَعُ اِبْهَامَيْهِ اِلٰى شَحْمَةِ اُذُنَيْهِ)) کے الفاظ آئے ہیں کہ انگوٹھے کانوں کے برابر ہوں، وہ دونوں ہی صحت وضعف کے اعتبار سے مختلف فیہ ہیں۔ اور منقطع السند ہونے کی وجہ سے شیخ البانی ؒ کے یہاں ضعیف السند قرار دی گئی ہیں۔ البتہ حافظ ابن حجر کا انداز بتاتا ہے کہ وہ حسن درجہ کی ہیں۔ ②

مَردوزن کے رفع یدین میں عدم فرق:

احادیثِ شریفہ میں وارد ان حدود میں یہ کہیں بھی ذکر نہیں آیا کہ ان میں سے کسی مقام کو مردوں کے لئے خاص کر دیا جائے اور کسی کو عورتوں کے ساتھ مخصوص مان لیں، بلکہ مردوزن اس معاملہ میں بھی برابر ہیں کہ مَرد اُن میں سے جس حد تک چاہیں رفع یدین کریں اور عورتیں بھی جس حد کو چاہیں اختیار کر لیں، کسی کے لئے کسی حد کی کوئی تخصیص حدیث شریف میں ہرگز وارد نہیں ہوئی۔

حافظ ابن حجرؒ:

اس سلسلہ میں فتح الباری شرح صحیح بخاری میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور عون المعبود شرح ابی دائود میں علامہ شمس الحق عظیم آبادیؒ لکھتے ہیں:

① (فتح الباری ۲۲۱/۲ ـ شرح نووی لمسلم ۹۵/٤/۲ ـ فقة السنة ۱٤۲/۱)

② (فتح الباری ۲۲۱/۲)

(لَمْ یَرِدْ مَا یَدُلُّ عَلَی التَّفْرِقَةِ فِی الرَّفْعِ بَیْنَ الرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ، وَعَنِ الْحَنَفِیَّةِ یَرْفَعُ الرَّجُلُ اِلَی الْاُذُنَیْنِ وَالْمَرْأَةُ اِلَی الْمَنْکِبَیْنِ لِاَنَّهٗ اَسْتَرُ لَهَا، وَاللّٰهُ اَعْلَمُ). ①

''کسی حدیث میں ایسا کوئی اشارہ بھی وارد نہیں ہوا جو اس بات پر دلالت کرتا ہو کہ رفع یدین کے معاملہ میں مَرد وزن کے مابین فرق ہے (اس کے برعکس) احناف کہتے ہیں کہ مَرد کانوں تک اور عورت کندھوں تک ہاتھ اٹھائے، یہ اس کے لئے زیادہ پردے کا باعث ہے۔ اور اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے۔''

امام شوکانی رحمہ اللہ:

اس سلسلہ میں کہ مَرد وزن کے مابین فرق کا کوئی ثبوت نہیں ہے، معروف محقق و مجتہد امام شوکانی رحمہ اللہ نے اپنی مشہور تحقیقی کتاب نیل الاوطار میں لکھا ہے:

(وَاعْلَمْ اَنَّ هٰذِهِ السُّنَّةَ تَشْتَرِکُ فِیْهَا الرِّجَالُ وَالنِّسَآءُ وَلَمْ یَرِدْ مَا یَدُلُّ عَلَی الْفَرْقِ بَیْنَهُمَا فِیْهِمَا، وَکَذَا لَمْ یَرِدْ مَا یَدُلُّ عَلَی الْفَرْقِ بَیْنَ الرَّجُلِ وَالْمَرْاَةِ فِیْ مِقْدَارِ الرَّفْعِ وَرُوِیَ عَنِ الْحَنَفِیَّةِ اَنَّ الرَّجُلَ یَرْفَعُ اِلَی الْاُذُنَیْنِ وَالْمَرْاَةُ تَرْفَعُ اِلَی الْمَنْکِبَیْنِ لِاَنَّهٗ اَسْتَرُ لَهَا، وَلَا دَلِیْلَ عَلٰی ذٰلِکَ کَمَا عَرَفْتَ). ②

''اور یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ یہ رفع الیدین ایسی سنت ہے جس میں مَرد

---

① (فتح الباری ٢٢٢/٤ ـ عون المعبود)

② (نیل الاوطار ١٨٤/٢/١)

وزن دونوں مشترک ہیں' اور ایسی کوئی حدیث وارد و ثابت نہیں ہے جو ان کے مابین اس معاملہ میں فرق کرنے پر دلالت کرتی ہو' اور نہ ہی ایسی کوئی حدیث ملتی ہے جو مَرد و زن کے مابین ہاتھ اٹھانے کی مقدار پر دلالت کرتی ہو۔ اور احناف سے مروی ہے کہ مَرد کانوں تک اور عورت کندھوں تک ہاتھ اٹھائے' کیونکہ یہ عورت کے لئے زیادہ ساتر ہے۔ لیکن (ان کے پاس) اس کی کوئی دلیل نہیں ہے' جیسا کہ تفصیل ذکر کی جا چکی ہے۔''

نتیجہ:

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ هدایه (٦٤/١)' کبیری (صفحه ٣٠٠) اور شرح وقایه (صفحه ٧٢' جزو ١) بحواله نمازِ مسنون صوفی عبدالحمید سواتی صفحه ٣١٦' شرح وقایه' کنز الدقائق' ردّ المحتار یعنی فتاویٰ شامی' فتاوی قاضی خان' فتاویٰ عالمگیری (بحواله الظفر المبین' ص ١٠٤' مولانا ابوالحسن سیالکوٹی) اور السعایه حاشیه و شرح وقایه (بحواله ماهنامه آثار مئو ناتهه بهنجن' جلد اول' شماره ٦' مرد و زن کی نماز میں عدمِ فرق کے سلسلہ میں علامہ عبید اللہ رحمانی ؒ کی تحقیقات) وغیرہ میں جو عورت کو صرف کندھوں تک ہاتھ اٹھانے کا مشورہ دیا گیا ہے اس کی کوئی صحیح دلیل نہیں ہے۔ اور دلیل کی عدم موجودگی کی وجہ ہی ہے کہ اس مشورے کے باوجود ان کتب میں یہ بھی لکھا ہے کہ:

''اگرچہ کان تک بھی عورت کا ہاتھ اٹھانا جائز ہے۔''

(بحوالہ سابقہ) اور یہی صحیح بھی ہے۔ اور پہلا مشورہ ہمارے نزدیک ایک بہت بڑی جسارت ہے' کیونکہ جب قرآن و حدیث اس معاملہ میں خاموش ہیں تو پھر کسی

فقیہہ ومجتہد یا مفتی وعالمِ دین کو اس بات کا کہاں حق پہنچتا ہے کہ وہ از خود ایسی من مانی تفریق کا دین میں اضافہ کرے۔

مسئلہ مطلق ہے' اسے مطلق ہی رہنے دیں کہ کوئی ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھائے یا کانوں تک' ہر طرح سے ثابت ہے۔ اور بعض معاصرین نے اس مذکورہ مشورے کو ثابت کرنے کے لئے بڑے ہاتھ پاؤں مارے ہیں اور ایک مرفوع روایت تلاش کر ہی لی ہے جسے کنز العمال میں شیخ علی متقی ہندی نے (صفحہ ۳۰۷' ج۷) طبرانی کے حوالے سے نقل کیا ہے جس کے الفاظ بروایتِ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ یہ ہیں:

((إذَا صَلَّيْتَ فَاجْعَلْ يَدَيْكَ حِذَاءَ أُذُنَيْكَ وَالْمَرْأَةُ تَجْعَلُ يَدَيْهَا حِذَاءَ ثَدْيَيْهَا)) ①

''جب تم نماز پڑھو تو اپنے ہاتھوں کو اپنے کانوں کے برابر اٹھاؤ۔ اور عورت اپنے ہاتھوں کو اپنے پستانوں (چھاتی) کے برابر اٹھائے۔''

اس روایت کے سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ حافظ ابنِ حجر عسقلانی اور امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہما کی تحقیقات میں اس بات کی طرف واضح اشارہ موجود ہے کہ یہ حدیث ضعیف اور نا قابلِ استدلال ہے' ورنہ ان کے ''لَمْ يَرِدْ مَا يَدُلُّ عَلَى التَّفْرِقَةِ فِي الرَّفْعِ بَيْنَ الرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ'' اور ''لَمْ يَرِدْ مَا يَدُلُّ عَلَى الْفَرْقِ بَيْنَ الرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ فِي مِقْدَارِ الرَّفْعِ'' کا کوئی معنیٰ نہیں بنتا۔ ایسے ہی دورِ حاضر کے معروف محدث علامہ البانی '' نے بھی صفة صلوة النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری صفحہ پر لکھا ہے:

(كُلُّ مَا تَقَدَّمَ مِنْ صِفَةِ صَلٰوتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

---

① (بحوالہ مسنون نماز کلاں' صوفی عبدالحمید سواتی' ص ۳۱۷۔)

يَسْتَوِيْ فِيْهِ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ وَلَمْ يَرِدْ فِي السُّنَّةِ مَا يَقْتَضِيْ اِسْتِثْنَاءَ النِّسَاءِ مِنْ بَعْضِ ذٰلِكَ، بَلْ اِنَّ عَمُوْمَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ((صَلُّوْا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِيْ اُصَلِّيْ)) لَيَشْمُلُهُنَّ.

''نبی اکرم ﷺ کی نماز کے طریقہ کے بارے میں ہم نے جو تفصیلات بیان کی ہیں ان میں مرد وزن سب برابر ہیں۔ اور سنت نبوی ﷺ یعنی حدیث میں ایسی کوئی چیز وارد نہیں ہوئی جو بعض معاملات میں مرد وزن کے مابین فرق کی متقاضی ہو، بلکہ اس ارشادِ نبوی ﷺ ''تم اسی طرح نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے''۔ کے عموم میں عورتیں بھی شامل ہیں۔''

اور یاد رہے کہ یہ ارشادِ نبوی ﷺ صحیح بخاری شریف اور مسند احمد میں حضرت مالک بن حویرث ﷺ سے مروی ہے۔ ①

اور یہ صحیح حدیث بھی طبرانی و کنز العمال والی روایت کے ضعیف ہونے کا قرینہ ہے اور حضرت ابراہیم نخعیؒ سے صحیح سند کے ساتھ مصنف ابن ابی شیبہ میں مروی ہے:

- (تَفْعَلُ الْمَرْاَةُ فِي الصَّلٰوةِ كَمَا يَفْعَلُ الرَّجُلُ) ②

''عورت اسی طرح نماز پڑھے جس طرح کہ مرد نماز پڑھتا ہے۔''

غرض عورت کے کندھوں تک ہاتھ اٹھانے کی دلیل کے طور پر جو یہ روایت لائی گئی ہے، اس میں تو کندھوں کا ذکر ہی نہیں، بلکہ پستانوں کا لفظ آیا ہے، جبکہ چھاتی تک ہاتھ اٹھانے کا تو کوئی بھی قائل نہیں۔ اور اگر اس سے اپنا نظریہ کشید کرنے کے لئے یہ

---

① (بخاری حدیث (٦٣١، ٦٠٠٨)۔ المنتقیٰ ١/٢/١٧٥)

② (بحواله صفة الصلوة، ص ١١٤)

کہیں کہ چھاتی تک ہاتھ اٹھائے جائیں تو انگلیاں یا کم از کم ان کے پورے کندھوں کے قریب قریب پہنچ ہی جائیں گے تو بھئی اس کھینچا تانی کی ضرورت ہی کیا ہے؟ سیدھی سی بات ہے کہ احادیث میں کندھوں اور کانوں تک ہاتھ اٹھانے کا ذکر آیا ہے اور یہی سنت ہے۔ اور بلاتفریق مرد وزن جو جس طریقہ کو اختیار کر لے جائز ہے۔ اور اسی میں بہت ہی برکت بھی ہے۔ البتہ بعض سلف صالحین (مردوں) کا دستور رہا ہے کہ وہ سینے تک ہاتھ اٹھاتے تھے۔ جیسا کہ ابو داؤد میں ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ سینے تک ہاتھ اٹھاتے تھے۔ اور ابن جریج ؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہاں تک ہاتھ اٹھاتے تھے؟ اُس مقام پر اشارہ کر کے بتائیے:

(فَاَشَارَ اِلَى الثَّدْيَيْنِ اَوْ اَسْفَلَ مِنْهُمَا)

''تو انہوں نے چھاتی (سینے) کی طرف اشارہ کیا یا اس سے نیچے۔''

ان کا یہ عمل چاروں جگہ یعنی تکبیر تحریمہ، رکوع جاتے، رکوع سے سر اٹھاتے اور تیسری رکعت کے لئے اٹھتے اور ہاتھ باندھتے وقت تھا۔ البتہ ابو داؤد میں ہی ضعیف سند سے یہ الفاظ بھی ہیں:

(وَاِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ يَرْفَعُهُمَا اِلَى ثَدْيَيْهِ) ①

''اور جب وہ تیسری رکعت کے لئے اٹھتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنی چھاتی (یعنی سینے) تک اٹھاتے۔''

صحیح احادیث کے مقابلہ میں بھلا اس اور ایسے ہی دیگر آثار کی کیا حیثیت

① (ضعیف سنن ابو داؤد، ص ۷۲۔ التحقیق الراسخ حافظ محمد محدث گوندلوی، ص ٤٧)

ہو گی؟ یہ تو اس مرفوع روایت کے بارے میں ہوا' جبکہ دوسری کوئی مرفوع روایت ہی نہیں لائی گئی۔ بعض آثار ہیں' جن کے برعکس صحیح احادیثِ شریفہ کا اطلاق ہوتا ہے جو ہم نے ذکر کی ہیں۔ ایسے ہی صحیح سند والا حضرت ابراہیم نخعیؒ کا اثر بھی ہے۔ اس طرح ان آثار کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہ جاتی۔ لہٰذا ہم ان کے تذکرہ اور اُن پر نقد وتبصرہ سے صرفِ نظر کر رہے ہیں۔

کانوں کو ہاتھ لگانا:

یہاں ایک بات واضح کرتے چلیں کہ ہمارے بہت سارے احباب تکبیرِ تحریمہ کے وقت رفع یدین کرتے ہوئے اپنے کانوں کو نہ صرف یہ کہ ہاتھ لگاتے ہیں' بلکہ کئی لوگ ایسے بھی دیکھنے میں آتے ہیں کہ وہ کانوں کی لوؤں کو باقاعدہ پکڑ بھی لیتے ہیں' حالانکہ احادیثِ رسول ﷺ سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ بلکہ احادیثِ صحیحہ کی رو سے سنت صرف دونوں ہاتھوں کو کانوں یا کندھوں کے برابر تک اٹھانا ہے نہ کہ کانوں کو انگوٹھے لگانا اور انہیں پکڑنا۔ اور جو لوگ تکبیرِ تحریمہ کے وقت اپنے کانوں کو انگشت ہائے شہادت اور انگوٹھوں سے پکڑ لیتے ہیں' ان کی ہتھیلیاں ظاہر ہے کہ ان کے اپنے منہ یا گالوں کی طرف ہو جاتی ہیں' اور اگر مزید وسعت سے کام لیں تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ (پاک و ہند میں) اس کے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی جنوب کی طرف اور بائیں ہاتھ کی ہتھیلی شمال کو ہوتی ہے۔ جبکہ یہ اندازِ رفع یدین نہ نبیٔ اکرم ﷺ سے ثابت ہے نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اور نہ ہی آئمہ و مجتہدین نے ایسے رفع یدین کا کہا ہے۔ بلکہ رفع یدین کے وقت ہتھیلیوں کے قبلہ رو ہونے کا پتہ بعض آثار سے بھی چلتا ہے' جن کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے۔ ان شاء اللہ. اور مالکیوں کے سواء تینوں آئمہ رحمۃ اللہ علیہم' ہتھیلیوں کو قبلہ رو رکھنے کے ہی قائل ہیں۔

جبکہ مالکیہ ہتھیلیوں کو آسمان کی طرف رکھنے کا کہتے ہیں۔لہٰذا رفع یدین کرتے اور تکبیرِ تحریمہ کہتے وقت ان لوگوں کا انداز جو کانوں کو پکڑ لیتے ہیں، سنتِ رسول ﷺ اور تعاملِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ جمہور آئمہ اور علماءِ امت کے بھی خلاف ہے، بلکہ صحیح تو یہ ہے کہ یہ فعل وہم یا وسواس کا نتیجہ ہے۔ ①

رفع یدین کے وقت ہاتھوں اور ہتھیلیوں کی کیفیت:

اب آیئے یہ بھی دیکھ لیں کہ رفع یدین کے وقت ہاتھوں اور ہتھیلیوں کی کیفیت کیا ہونی چاہیے؟ بالفاظِ دیگر یہ کہ رفع یدین کرتے وقت ہاتھوں کو کیسے رکھنا چاہیے؟

① اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ رفع یدین کرتے وقت اپنے ہاتھوں کو پھیلا کر رکھنا چاہیے کہ انگلیاں کھلی ہوں اور مٹھی کی طرح بند نہ رکھی جائیں۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((ثَلاثٌ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْمَلُ بِهِنَّ قَدْ تَرَكَهُنَّ النَّاسُ، كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ مَدًّا اِذَا دَخَلَ فِي الصَّلٰوةِ))

''تین کام ایسے ہیں کہ جنہیں نبیِ اکرم ﷺ کیا کرتے تھے اور لوگ انہیں چھوڑ بیٹھے ہیں۔ آپ ﷺ جب نماز شروع کرتے تو اپنے ہاتھوں کو کھول کر رفع یدین کرتے تھے۔''

یہ مسند احمد میں وارد اِس حدیث کے ابتدائی الفاظ ہیں۔ جبکہ ابنِ خزیمہ کا سیاق کافی مفصل ہے لیکن آغاز اسی طرح ہے۔ اور سنن میں اس حدیث کے الفاظ یوں ہیں:

---

① (تحقيق المشكاة ١/٢٥٢)

((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ رَفَعَ يَدَيْهِ مَدًّا)) ①

''نبیِ اکرم ﷺ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کوکھول (پھیلا) کر رفع یدین کرتے تھے۔''

علامہ ابن عبدالبرؒ نے مَدُّ الْيَدَيْنِ یعنی ہاتھوں کوکھولنے یا پھیلانے کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس سے مراد دونوں ہاتھوں کوکھول کر کانوں اور سر کی طرف لمبا کرنا ہے۔ اور امام شوکانیؒ نے لکھا ہے کہ اس سے مراد ہاتھوں کی انگلیوں کو عام حالت میں رکھتے ہوئے سیدھا کرنا ہے' جو انگلیوں کو دائیں بائیں پھیلانے اکڑانے کے برعکس ہے۔ ②

اس معنیٰ ومفہوم کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس حدیث کی بعض روایات یا سیاق میں انگلیوں کی حالت کے بارے میں یہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں:

((لاَ يُفَرِّجُ بَيْنَهَا وَلاَ يَضُمُّهَا)) ③

''نبیِ اکرم ﷺ رفع یدین کے وقت ہاتھوں کی انگلیوں کو نہ تو چوڑائی میں کھول کر رکھتے تھے اور نہ ہی باہم جوڑ کر (بلکہ عام حالت میں) رکھتے تھے۔''

ان الفاظ سے رفع یدین کے وقت ہاتھوں کی انگلیوں کی کیفیت تو بالکل واضح

---

① (صحيح ابى داود حديث (٢٨٥)۔ صحيح الترمذى حديث (١٩٩)۔ صحيح نسائى ١٩٢/١ حديث (٨٥٠)۔ ابن خزيمة ٢٣٤/١ ۔ الفتح الربانى ١٦٦/٣)۔

② (نيل الاوطار ١٧٧/٢/١)

③ (ابن خزيمة و صفة الصلوٰة)

ہو گئی کہ انہیں معمول کے مطابق طبعی حالت میں ہی رہنے دینا چاہیے! انہیں اکڑا کر سیدھا کرنے یا دائیں بائیں پھیلانے کا تکلف نہیں کرنا چاہیے' اور نہ ہی مٹھیاں بھینچ کر رکھی جائیں' بلکہ ہاتھوں کی انگلیوں کو بلا تکلف کھلا رکھنا ہی کافی ہے۔ البتہ سنن ترمذی میں یہ حدیث ایک دوسرے صیغے سے بھی مروی ہے' جس میں ہے:

((كَانَ اِذَا كَبَّرَ نَشَرَ اَصَابِعَهٗ)) ①

''آپ ﷺ جب نماز کے لئے تکبیرِ تحریمہ کہتے تو اپنی انگلیوں کو چوڑائی میں پھیلا کر رکھتے تھے۔''

لیکن اس حدیث پر محدثین کرامؒ نے جرح وتنقید کی ہے۔ ②

③ اب رہی یہ بات کہ رفع یدین کے وقت ہتھیلیوں کو کس طرح رکھنا چاہیے؟ اس سلسلہ میں نبیِ اکرم ﷺ کی کوئی مرفوع وصریح حدیث تو ہماری نظر سے نہیں گزری' البتہ شیخ احمد عبدالرحمٰن البنا نے بلوغ الامانی من اسرار الفتح الربانی (ترتیب و شرح مسند احمد الشیبانی) میں ابوداؤد کے حوالے سے حضرت وائل بن حُجر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ہاتھوں کو کندھوں یا کانوں تک اٹھانے کا پتہ دینے والی دونوں طرح کی احادیث پر بیک وقت عمل کرنے کا طریقہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

((حَتّٰی یُحَاذِیَ بِظَهْرِ کَفَّیْهِ الْمَنْکِبَیْنِ وَبِاَطْرَافِ اَنَامِلِهٖ الْاُذُنَیْنِ)) ③

---

① (ضعیف ترمذی' ص ۲۷ حدیث:۳۸)

② (النیل والتحفۃ وضعیف ترمذی)

③ (بلوغ الامانی ۱٦۷/۳)

''یہاں تک کہ دونوں ہاتھوں کی پشتیں تو دونوں کندھوں کے برابر اور انگلیوں کے پورے کانوں کے برابر ہو جائیں۔''

صحابی کی اس تفسیر سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ رفع یدین کے وقت دونوں ہتھیلیوں کو قبلہ کی طرف رکھنا چاہیے' تبھی جا کر ہاتھوں کی پشتیں کندھوں کے برابر آ سکتی ہیں۔ اور الفقه على المذاهب الاربعة میں لکھا ہے کہ مالکی فقہاء کے نزدیک تو ہتھیلیوں کو آسمان کی طرف کرنا چاہیے' جبکہ حنفی و شافعی اور حنبلی فقہاء (جمہور علماء امت) کے نزدیک ہتھیلیوں کو قبلہ کی طرف کرنا چاہیے۔ اور حضرت وائل بن حُجر رضی اللہ عنہ سے مروی تفسیر اسی کیفیت کی دلیل ہے۔

اب پھر یہاں ذرا اس شخص کے فعل پر نظرِ ثانی کر لیں جو تکبیرِ تحریمہ کہتے اور رفع یدین کرتے وقت اپنے کانوں کو انگشت ہائے شہادت اور انگوٹھوں سے پکڑ لیتا ہے۔ اس کی ہتھیلیاں نہ تو مالکی مسلک کے مطابق آسمان کی طرف رہتی ہیں اور نہ ہی دیگر تینوں مسالک کے فقہاء اور جمہور علماء امت کے مسلک کے مطابق قبلہ کی طرف رہ سکتی ہیں' بلکہ اس انداز سے تکبیرِ تحریمہ کہنے اور رفع یدین کرنے سے اس کی ہتھیلیاں صرف اس کے اپنے ہی کانوں یا چہرے کی طرف ہوتی ہیں' یا پھر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی جنوب کی طرف اور بائیں کی شمال کی طرف ہوتی ہے۔ جبکہ یہ اندازِ رفع یدین کسی سے بھی ثابت نہیں۔ لہٰذا تکبیرِ تحریمہ اور رفع یدین کا وہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے یا جمہور کا اختیار کردہ ہے۔

قیام میں ہاتھ باندھنا

جب رفع یدین کے ساتھ تکبیرِ تحریمہ یعنی اَللّٰهُ اَکْبَرُ سے فارغ ہو جائیں تو اب ہاتھوں کو کہاں رکھنا چاہیے؟ انہیں کہیں باندھنا ہے یا نیچے لٹکا دینا ہے؟ جیسا کہ رکوع کے بعد لٹکائے جاتے ہیں، اس سلسلہ میں دو معروف قول ہیں: ایک یہ کہ تکبیرِ تحریمہ اور رفع یدین سے فارغ ہو کر ہاتھوں کو نیچے لٹکا دیا جائے۔ یہ مالکیوں (نیز اباضیوں اور شیعوں) کا مسلک ہے' اگرچہ امام مالک رحمہ اللہ سے دونوں طرح کی روایات ملتی ہیں' ہاتھ باندھنے کی بھی اور چھوڑنے یا لٹکانے کی بھی۔

ہاتھ لٹکانے کی روایت صرف ابن القاسم نے بیان کی ہے' لیکن امام مالکؒ کے اصحاب کی اکثریت نے اسے ہی اختیار کر لیا ہے۔ البتہ نفلی نماز میں طولِ قیام کی وجہ سے ہاتھ چھوڑنے کو مباح قرار دینے کی روایت بھی امام مالک رحمہ اللہ سے ملتی ہے۔ اور ابن الحاجب کی نقل کے مطابق راحت کے حصول کی غرض سے ہاتھ باندھیں تو مکروہ ہے۔ اور مؤطا امام مالک کی معروف شرح زرقانی میں لکھا ہے کہ فرض نماز میں ہاتھوں کو لٹکانا امام صاحب کے نزدیک مکروہ تھا۔ ①

امام مالک رحمہ اللہ کا دوسرا قول اور جمہور اہلِ علم کا مسلک:

امام مالک رحمہ اللہ سے دوسرے قول کی روایت بھی ملتی ہے کہ ہاتھوں کو کھلے نہیں چھوڑنا چاہیے' بلکہ ایک دوسرے پر باندھنا چاہیے۔ جیسا کہ دوسرے تین آئمہ سمیت

① (شرح زرقانی ۳۲۱/۱)۔ ہاتھ نہ باندھنے پر جو دلائل دیئے جاتے ہیں وہ اور ان کا ردّ نیل الاوطار ۱۸۶/۲/۱'۱۸۷ اور الفتح الربانی ۱۷۳/۳'۱۷۴ میں ملاحظہ فرمائیں)

جمہور اہلِ سنت کا مسلک ہے۔ چنانچہ مالکیہ میں سے اشہب نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ نفل اور فرض ہر دو طرح کی نماز میں دونوں ہاتھوں کو باندھنے میں کوئی حرج نہیں۔ امام مالکؒ کے مدنی اصحاب نے بھی ان سے یہی قول روایت کیا ہے کہ نماز میں ہاتھ باندھ کر ہی کھڑے ہونا چاہیے۔ جبکہ مطرف اور ابن الماجشون نے امام مالک رحمہ اللہ سے نہ صرف ہاتھ باندھنے کا قول روایت کیا ہے بلکہ کہا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ ہاتھ باندھنے کو مستحسن قرار دیتے (اچھا سمجھتے) تھے۔ اور ابن المنذر نے امام مالک رحمہ اللہ سے صرف یہی قول روایت کیا ہے' دوسرا ہاتھ لٹکانے (ارسال) والا قول بیان ہی نہیں کیا۔ اور علامہ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں مخالف حدیث نہیں ملتی اور جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کا یہی قول و عمل ہے۔ اور امام مالک رحمہ اللہ نے اپنے مؤطا میں صرف یہی ذکر کیا ہے۔ اور التقصی میں علامہ ابن عبدالبر لکھتے ہیں کہ نماز میں ہاتھوں کو ایک دوسرے پر باندھنے والی بات مجمع علیہ امر ہے۔ ①

امام شوکانی رحمہ اللہ نے اٹھارہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ سے مروی بیس احادیث کی طرف اشارہ کیا ہے جن سے ہاتھوں کو باندھنے کا پتہ چلتا ہے۔ ②

یہ ایک مالکی بلکہ مالکیہ کے بہت بڑے اور معروف علامہ ابن عبدالبر کے الفاظ ہیں جنہیں ایک دوسرے فاضل علاّمہ زرقانی نے مؤطا امام مالک رحمہ اللہ کی شرح میں نقل کیا ہے۔ اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں بھی یہ ذکر کیا ہے۔ اور

① (بحوالہ شرح الزرقانی ۱/۳۲۰'۳۲۱' فتح الباری ۲/۲۲٤)

② (نیل الاوطار ۱/۲/۱۸٦'۱۸۷۔ الفتح الربانی ۳/۱۷۳'۱۷٤)

امام مالک رحمہ اللہ کے بارے میں اسی روایت یعنی ہاتھ باندھنے کی تائید نہ صرف عام کتبِ حدیث میں وارد احادیثِ رسول ﷺ سے ہوتی ہے بلکہ خاص امام مالک رحمہ اللہ کی اپنی شہرۂ آفاق کتاب مؤطا میں وارد بعض احادیث بھی اسی بات کا پتہ دیتی ہیں۔ چنانچہ مؤطا امام مالک رحمہ اللہ باب ۱۰۰' (وَضْعُ الْيَدَيْنِ اِحْدَاهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فِي الصَّلٰوةِ) میں اس موضوع کی دو حدیثیں امام صاحب نے روایت کی ہیں جن میں سے پہلی حدیث میں امام مالک رحمہ اللہ عبدالکریم بن ابی المخارق بصری سے بیان کرتے ہیں:

(مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ اِذَا لَمْ تَسْتَحِ فَافْعَلْ مَا شِئْتَ وَوَضْعُ الْيَدَيْنِ اِحْدَاهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فِي الصَّلٰوةِ يَضَعُ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى، وَتَعْجِيْلُ الْفِطْرِ وَالْاِسْتِيْنَاءِ بِالسُّحُوْرِ) ①

''یہ بات کلامِ نبوت میں سے ہے (یعنی تمام شرائع انبیاء میں موجود رہی ہے) کہ جب کسی کو پاسِ حیا نہ رہے تو پھر وہ چاہے کچھ بھی کرے (اس کے لئے سب برابر ہے) اور یہ بات بھی کلام نبوت میں سے ہے کہ نماز میں ایک ہاتھ کو دوسرے پر باندھا جائے' دائیں کو بائیں پر رکھا جائے' اور (غروبِ آفتاب کے بعد) افطاری میں جلدی کی جائے اور سحری کھانے میں تاخیر کی جائے۔ (یعنی آدھی رات کو ہی کھانے سے نہ رک جائیں۔)''

امام مالک رحمہ اللہ کی روایت کردہ اس حدیث کے جزء اوّل کی تائید حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((اِنَّ مِمَّا اَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الْاُوْلٰى اِذَا لَمْ

---

① (موطا امام مالك مع الزرقاني ۱/۳۲۰'۳۲۱)

تَسْتَحِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ)) ①

''وہ باتیں جن کو لوگوں نے کلامِ نبوت میں سے شمار کیا ہے ان میں سے ہی یہ بات بھی ہے کہ جب تجھے پاسِ حیاء نہ رہے تو پھر تو چاہے کچھ بھی کرے۔''

اب رہا حدیثِ اوّل کا بقیہ حصہ جس میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر باندھنے کا ذکر آیا ہے تو امام مالک کی بیان کردہ حدیث کی تائید حضرت ابنِ عباس اور ابنِ عمر رضی اللہ عنہم سے مروی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

((اِنَّـا مَـعْشَرَ الْاَنْبِيَاءِ اُمِرْنَا بِتَعْجِيْلِ فِطْرِنَا وَتَاْخِيْرِ سُحُوْرِنَا، وَاَنْ نَضَعَ اِيْمَانَنَا عَلٰى شَمَائِلِنَا فِي الصَّلٰوةِ)) ②

''ہم جماعتِ انبیاء ہیں۔ ہمیں افطاری میں جلدی کرنے اور سحری میں تاخیر کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اور ہم تمام انبیاء کو یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ ہم نماز میں اپنے دائیں ہاتھوں کو بائیں ہاتھوں پر رکھا کریں، یعنی باندھیں۔''

ایسے ہی حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے:

((ثَـلَاثٌ مِـنْ اَخْلَاقِ الـنُّبُـوَّةِ: تَـعْجِيْلُ الْاِفْطَارِ وَتَاْخِيْرُ السُّحُوْرِ وَوَضْعُ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى فِي الصَّلٰوةِ)) ③

---

① (بخاری (٦١٢٠)۔ صحیح سنن ابی داوٗد (٤٠١٢)۔ سنن ابن ماجۃ (٤١٨٣)۔ الصحیحۃ ٣'٢/٢ و٣٠٤)۔

② (ابن حبان (٨٨٥) الموارد، احکام الجنائز، ص ١١٧ ۔ صحیح الجامع (٢٢٨٦) ٢٦٨'٢٦٧/٢/١)

③ (طبرانی وابن عبدالبر بحواله صحیح الجامع ٦٥/٣/٢، مجمع الزوائد ١٠٨/٢/١)

''افطاری میں جلدی کرنا' سحری میں تاخیر کرنا اور نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھنا' یہ تینوں چیزیں اخلاقِ نبوت میں سے ہیں۔''

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت یعلیٰ بن مرۃ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے:

((ثَلاثٌ یُحِبُّهَا اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ : تَعْجِیْلُ الْاِفْطَارِ وَتَاْخِیْرُ السُّحُوْرِ وَضَرْبُ الْیَدَیْنِ اِحْدَاهُمَا بِالْاُخْرٰی فِی الصَّلٰوةِ))①

''افطاری میں جلدی کرنا' سحری کھانے میں تاخیر کرنا اور نماز میں دونوں ہاتھوں میں سے ایک کو دوسرے پر رکھنا' یہ تینوں کام اللہ کو پسند ہیں۔''

ان تمام ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مرویات میں اور امام مالک والی پہلی روایت میں ایک چیز جو مشترک ہے وہ ہے نماز میں ہاتھوں کو (دائیں کو بائیں پر) باندھنا۔ اور ان میں آخری روایت کی اسناد پر اگرچہ کلام کیا گیا ہے لیکن مجموعی طور پر یہ حدیث صحیح ہے۔ اور موطا کی روایت میں جو یہ الفاظ ہیں:

((یَضَعُ الْیُمْنٰی عَلَی الْیُسْرٰی))

''دائیں کو بائیں پر باندھیں''

ان کے بارے میں علامہ ابن عبدالبر کے حوالے سے علامہ زرقانی نے موطا کی شرح میں لکھا ہے کہ یہ حدیث کے الفاظ نہیں بلکہ امام مالک کے تشریحی الفاظ ہیں۔②

البتہ ان الفاظ سے پہلے والے الفاظ ((وَضْعُ الْیَدَیْنِ اِحْدَاهُمَا عَلَی

---

① (بیھقی وطبرانی بحواله زرقانی وتنویر الحوالك ایضاً النیل ۱۸/۳/۲)

② (زرقانی ۳۲۰/۱)

الْاُخریٰ فِی الصَّلوٰۃ)) حدیث کے الفاظ ہیں۔اور امام مالکؒ کے تشریحی الفاظ کی تائید نبی اکرم ﷺ سے مروی مرفوع احادیث سے بھی ہوتی ہے' جیسا کہ ان ذکر کی گئی احادیث سے پتہ چل رہا ہے۔

ایسے ہی امام مالک نے اپنے مؤطا میں ایک دوسری حدیث بھی روایت کی ہے۔اس سے بھی ان کے تشریحی الفاظ کی تائید ہوتی ہے اور مؤطا امام مالک والی یہ حدیث صحیح بخاری میں بھی موجود ہے۔حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((کَانَ النَّاسُ یُؤْمَرُوْنَ اَنْ یَضَعَ الرَّجُلُ الْیَدَ الْیُمْنٰی عَلٰی ذِرَاعِهِ الْیُسْریٰ فِی الصَّلٰوۃِ))

''لوگوں کو یہ حکم دیا جاتا تھا کہ نماز میں ہر آدمی اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں بازو کی کلائی پر رکھے۔''

اور راویٔ حدیث ابو حازم فرماتے ہیں:

((لَا اَعْلَمُهُ اِلَّا یَنْمِیْ ذٰلِکَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ)) ①

''میں نہیں جانتا سوائے اس کے کہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو نبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب کیا۔''

یہ تو تین آئمہ و جمہور اہلِ علم اور ثقہ روایت کے مطابق امام مالک رحمہ اللہ کا بھی مسلک ہے اور ان کے اس مسلک کا ہی پتہ مؤطا سے چلتا ہے کہ ہاتھوں کو باندھا جائے' اب معلوم نہیں ابن القاسم کی ارسال والی روایت کا مصدر و ماخذ کیا ہے؟ اور ہاتھ لٹکا کر نماز پڑھنے والوں کے پاس اپنے اس فعل کی کیا دلیل ہے؟ اور وہ احادیث

---

① (مؤطا مع زرقانی ۱/۳۲۱۔ بخاری ۲/۲۲٤)۔

جو کہ ہم نے ذکر کر دی ہیں اور وہ احادیث جو کہ ہم ذکر کرنے والے ہیں' ان سب کا ہاتھ لٹکا کر نماز پڑھنے والوں کے پاس کیا جواب ہے؟

وَاللّٰهُ الْهَادِیْ اِلٰی سَوَآءِ السَّبِیْلِ

ہاتھ باندھنے پر دلالت کرنے والی کئی اور احادیث بھی ہیں جن میں سے ہی ایک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' جس میں وہ فرماتے ہیں:

((اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَبَّرَ عَلٰى جَنَازَةٍ فَرَفَعَ يَدَيْهِ فِيْ اَوَّلِ تَكْبِيْرَةٍ وَوَضَعَ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى))①

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنازے پر تکبیر کہی' اور تکبیر تحریمہ کے ساتھ رفع یدین کی اور دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر باندھ لیا۔''

اس حدیث کی سند تو بقول علامہ البانی ضعیف ہے لیکن اس کا معنیٰ صحیح ہے' کیونکہ کئی دوسری احادیث میں بھی اس بات کی شہادت موجود ہے۔ اور عقبہ بن ابو عائشہ سے مروی ایک اثر بھی ہے جس میں وہ بیان فرماتے ہیں:

((رَاَيْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ جَابِرٍ الْبَيَاضِ صَاحِبَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضَعُ اِحْدٰى يَدَيْهِ عَلٰى ذِرَاعِهٖ فِي الصَّلٰوةِ)) ②

''میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت عبداللہ بن جابر البیاض رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے' انہوں نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے بازو کی کلائی پر رکھا۔''

---

① (احکام الجنائز للالبانی ص ۱۱۵'۱۱۶)

② (معجم طبرانی کبیر بحوالہ مجمع الزوائد ۱/۲/۱۰۸ ۔ نیل الاوطار ۲/۳/۱۸)

دایاں ہاتھ اوپراور بایاں نیچے:

بعض احادیث میں اس بات کی صراحت بھی موجود ہے کہ ہاتھ باندھتے وقت یہ نہیں ہے کہ جو ہاتھ چاہیں اوپر رکھ لیں اور جو چاہیں نیچے' بلکہ ہاتھ باندھنے کی مسنون کیفیت یہ ہے کہ دایاں ہاتھ بائیں کے اوپر ہو۔ جیسا کہ مؤطا امام مالکؒ کے حوالے سے امام صاحب کے تشریحی الفاظ ذکر کیے جا چکے ہیں۔ مثلاً ((یَضَعُ الْیُمْنٰی علی الْیُسْرٰی)) اوراس کے بعد والی احادیث میں بھی ((وَاَنْ نَضَعَ اَیْمَانَنَا علی شَمَائِلِنَا)) اور ((وَوَضَعَ الْیُمْنٰی عَلَی الْیُسْرٰی)) اور ((اَنْ یَّضَعَ الرَّجُلُ الْیَدَ الْیُمْنٰی عَلٰی ذِرَاعِہِ الْیُسْرٰی)) جیسے الفاظ ذکر کیے جا چکے ہیں۔ ان کے علاوہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

((رَاٰنِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاضِعًا یَدَیِ الْیُسْرٰی عَلٰی یَدَیِ الْیُمْنٰی فَانْتَزَعَهَا وَوَضَعَ الْیُمْنٰی عَلَی الْیُسْرٰی))①

''رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس حالت میں (نماز پڑھتے) دیکھا کہ میرا بایاں ہاتھ دائیں کے اوپر رکھا ہوا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے میرے ہاتھوں کو کھینچ کر (یعنی چھڑا کر) دائیں کو بائیں کے اوپر رکھ دیا۔''

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((مَرَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِرَجُلٍ وَهُوَ یُصَلِّیْ وَقَدْ وَضَعَ یَدَهُ الْیُسْرٰی عَلَی الْیُمْنٰی فَانْتَزَعَهَا وَوَضَعَ

① (صحیح ابی داؤد ١٤٤/١۔ صحیح نسائی ١٩٣/١ حدیث (٨٥٥)۔ ابن ماجه (٨١١)

اَلْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى)) ①

''رسول اللہ ﷺ کا گزر ایک ایسے نمازی کے پاس سے ہوا کہ جس نے اپنا بایاں ہاتھ دائیں کے اوپر رکھا ہوا تھا تو آپ ﷺ نے اس کے ہاتھوں کو (نماز میں ہی) چھڑا کر دائیں ہاتھ کو بائیں کے اوپر رکھ دیا۔''

ان احادیث سے ان لوگوں کو بھی اپنی اصلاح کر لینی چاہیے جو بے دھیانی اور لاعلمی میں آج تک نماز کے لیے قیام کے وقت جب ہاتھ باندھتے ہیں تو دایاں ہاتھ نیچے اور بایاں اوپر رکھتے ہیں۔ اور یہ بات مَردوں میں تو شاذ ہی ہوگی' کیونکہ مسجد میں دوسرے لوگوں کو دیکھ کر بھی اصلاح ہو جاتی ہے' البتہ گھروں میں خواتین کی اصلاح کے مواقع نسبتاً کم ہوتے ہیں۔ اور بعض خواتین کے بایاں ہاتھ دائیں کے اوپر باندھنے کی باقاعدہ اطلاع بھی ہمیں ملی ہے۔ غرض مَرد وزن میں سے کوئی بھی ہو سب کے لیے ہاتھ باندھنے کا مسنون طریقہ یہی ہے کہ دایاں ہاتھ اوپر ہو اور بایاں نیچے۔

ہاتھ باندھنے کی حکمتیں:

ہاتھوں کو نیچے نہ لٹکانے بلکہ باندھ کر نماز میں کھڑے ہونے کی اہلِ علم نے بعض حکمتیں بھی بیان کی ہیں:

① پہلی حکمت تو یہ ہے کہ یوں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا ایک حقیر و خاکسار سائل یا سوالی کی صورت ہوتی ہے۔ اور بندہ چونکہ اس کائنات کے خالق و مالک اور اپنے معبودِ حقیقی کے سامنے کھڑا ہوتا ہے لہٰذا عجز و انکساری کے لائق ہاتھ باندھ کر یوں کھڑے ہونا ہی ہے۔

② اس کی دوسری حکمت یہ بیان کی جاتی ہے کہ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے سے

---

① (ابو داود' دارقطنی' مسند احمد۔ بحوالہ النیل ۲/۳/۲۱)

ہاتھوں سے کوئی عبث حرکت نہیں ہو پاتی۔ لہٰذا خشوع وخضوع بھی اسی طرح زیادہ ممکن ہے۔ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے شاید یہ حکمت محسوس کر لی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے بخاری شریف میں (بَابُ وَضْعِ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى) یعنی دائیں ہاتھ کو بائیں پر باندھنے کے باب کے ساتھ ہی دوسرا (بَابُ الْخُشُوْعِ فِي الصَّلٰوةِ) قائم فرمایا' تا کہ جو بات یہاں اشارتاً موجود ہے اسے بالنص ثابت کر دیا جائے کیونکہ وہ خشوع تو نماز میں مطلوب ہے۔

③ بعض اہلِ علم نے تو ایک بڑی لطیف بات کہی ہے کہ نیت کا مقام دل ہے۔ اور یہ ایک معروف بات ہے کہ جب کوئی شخص کسی چیز کی حفاظت کرتا ہے تو اس پر اپنے ہاتھ رکھ لیتا ہے۔ اور یوں ہاتھ باندھنے میں نماز سے حاصل ہونے والے نورِ ایمان کی حفاظت ہے۔ لہٰذا یہی سینے پر ہاتھ باندھنا ہی اولیٰ ہے۔ ①

ہاتھ باندھنے کے بارے میں چند وضاحتیں:

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھ باندھنے کے بارے میں نمازیوں کی چند کوتاہیوں اور اصل صورتِ حال کی وضاحت بھی کرتے جائیں۔

① اِس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ ہاتھ باندھنے کی جو مختلف شکلیں ہیں' ان میں سے ایک تو وہی ہے جو ذکر کی گئی حدیثوں میں وارد ہوئی ہے کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھ لیں' جیسا کہ ((وَضْعُ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى)) کے الفاظ سے پتہ چلتا ہے اور وَضْع کا معنیٰ ''رکھنا'' ہے کہ ایک ہاتھ کو دوسرے پر رکھ دیں لیکن پکڑیں نہیں۔

② ہاتھ باندھنے کی دوسری شکل وہ ہے جو حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی

---

① (فتح الباری ۲/۲۲٤' نیل الاوطار ۲'۱/ ۱۸۷۔ المرعاۃ ۲/۳۰۰)

حدیث میں ہے کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی کلائی پر رکھا جائے۔جیسا کہ اس حدیث کے الفاظ ((انْ يَّضَعَ الرَّجُلُ الْيَدَ الْيُمْنٰى عَلٰى ذِرَاعِهِ الْيُسْرٰى)) سے پتہ چلتا ہے۔اور پہلے طریقے اور اس طریقے کے مابین فرق یہ ہے کہ پہلے میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنے کا ذکر آیا ہے اور اس دوسرے میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی بجائے بائیں بازو کی کلائی پر رکھنا مذکور ہے۔اور اسی کا ذکر عقبہ بن ابو عائشہ کے اثر میں ہے۔

③ ہاتھ باندھنے کی تیسری شکل ایک اور حدیث میں آئی ہے جو کہ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:

((ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى كَفِّهِ الْيُسْرٰى وَالرُّسْغِ وَالسَّاعِدِ)) ①

''پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ (کی پشت) اور گٹ (یعنی ہاتھ اور کلائی کے درمیانی جوڑ) اور کلائی پر رکھا۔''

اس حدیث میں پہلے دو طریقوں سے قدرے مختلف انداز وارد ہوا ہے۔ اور اس کی رو سے ہاتھ باندھنے کا یہ طریقہ بھی ہے کہ دائیں ہاتھ کو اس انداز سے بائیں ہاتھ پر رکھیں کہ دائیں ہاتھ کا کچھ حصہ بائیں ہاتھ کی پشت پر آئے اور کچھ حصہ ہاتھ اور کلائی کے درمیان والے گٹے پر آئے اور (کچھ حصہ) بائیں بازو کی کلائی پر بھی ہو جائے۔اور مؤطا امام مالک و صحیح بخاری میں وارد حدیث ((وَاَمَر بِذٰلِكَ اَصْحَابَهُ)) کی رو سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی اس کا حکم فرمایا تھا۔②

---

① (صحيح ابی داود حديث(٦٦٧)،صحيح نسائی (٨٥٦)، المنتقی ١٨/٣/٢)

② (بحواله صفة الصلوة' ص ٤٣)

④ ان تینوں طریقوں میں ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھنے کا ذکر آیا ہے۔ اور ایک حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کبھی دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھتے تھے اور کبھی دائیں ہاتھ سے بائیں کو پکڑ لیتے تھے۔ چنانچہ حضرت وائل بن حُجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((وَكَانَ يَقْبِضُ بِالْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى)) ①

''آپ ﷺ دائیں ہاتھ سے بائیں کو پکڑ لیتے تھے۔''

تو گویا ایک ہاتھ کو دوسرے پر رکھیں یا دائیں سے بائیں کو پکڑ لیں دونوں طرح ہی جائز اور سنت ہے۔ جو شخص جس پر چاہے عمل کر لے، صحیح و درست ہے۔ مزید کسی تکلف کی چنداں ضرورت نہیں۔ دُرّ مختار کے مؤلف نے اور اس کے حاشیہ ردّ المحتار المعروف فتاویٰ شامی میں ابن عابدین نے، ایسے ہی شرح نقایہ و کبیری میں (بحوالہ مسنون نماز، صفحہ ۳۱۷، صوفی عبدالحمید سواتی) ان ہر دو صورتوں کو بیک وقت جمع کرنے کا ایک طریقہ بھی بتایا ہے اور کہا ہے کہ دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور چھنگلی سے بائیں ہاتھ کے گٹے کو پکڑ لیں اور درمیان والی تین انگلیاں کلائی کے اوپر سیدھی رکھیں۔ اس طرح رکھنے اور پکڑنے والی دونوں صورتوں کے جمع کرنے کو مستحسن قرار دیا ہے۔ ②

لیکن یہ صورت خود ساختہ اور مبنی بر تکلف ہے۔ اور علامہ عبیداللہ رحمانی مبارک پوریؒ فرماتے ہیں کہ مختلف اوقات میں مختلف انداز کی روایتوں میں کوئی تناقض نہیں ہے۔ لہٰذا جمع و تطبیق محض تکلف ہے جس کی کوئی ضرورت نہیں۔ بلکہ بعض اہلِ علم نے تو

---

① (صحیح سنن النسائی حدیث(٨٥٤)۔ دارقطنی بحوالہ صفة الصلوٰة، ص ٤٣)

② (ردّ المحتار علی دُرّ المختار ٤٨٧/١)

اس جمع و تطبیق کو بدعت قرار دیا ہے۔ ①

⑤ ہاتھ باندھنے سے ہی تعلق رکھنے والی پانچویں وضاحت یہ ہے کہ پوری کلائی پر کلائی رکھ لینا یا دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کی کہنی کو پکڑ لینا ان احادیث سے قطعاً ثابت نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس بلا ثبوت فعل کی بجائے مسنون طریقہ پر عمل کرنا چاہیے۔ ②

قیام میں ہاتھ باندھنے کی جگہ:

مذکورہ احادیث و آثار کے علاوہ بعض دوسری احادیث و آثار بھی ہیں جن میں ہاتھ باندھنے کے علاوہ ہاتھ باندھنے کی جگہ کا بھی ذکر آیا ہے۔ جبکہ پہلی ذکر کردہ احادیث میں ہاتھ باندھنے کی جگہ کا ذکر نہیں تھا بلکہ مطلق ہاتھ باندھنے کا ہی ذکر تھا۔ اور نماز میں قیام کے دوران ہاتھ باندھنے کی جگہ یا مقام کے بارے میں اہلِ علم کے تین اقوال ہیں:

(۱) پہلا یہ کہ ناف سے اوپر سینے کے نیچے ہاتھ باندھے جائیں۔

(۲) دوسرا یہ کہ سینے پر ہاتھ باندھے جائیں۔

(۳) تیسرا یہ کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھے جائیں۔

ان تینوں میں سے پہلے قول کے دلائل میں سینے پر ہاتھ باندھنے کا ہی ذکر ہے جیسا کہ دوسرے قول والوں کا اختیار ہے لہٰذا اصلاً دو ہی طریقے رہ جاتے ہیں سینے پر یا ناف کے نیچے۔

لہٰذا آیئے ان دونوں اقوال کے قائلین کے دلائل دیکھیں اور ان کا جائزہ لیں، تا کہ ان اقوال میں سے صحیح تر کا تعین کیا جا سکے۔

---

① (دیکھئے المرعاۃ ۲/۲۹۸، ۲۹۹۔ صفۃ الصلوۃ للالبانی، ص ۴۳۔ حاشیہ)

② (دیکھئے المرعاۃ ۲/۲۹۹)

سینے پر ہاتھ باندھنے کے دلائل

ناف سے اوپر اور سینے کے نیچے ہاتھ باندھنے کے قائلین شافعیہ اور بقول امام نوویؒ جمہور اہلِ علم ہیں۔ اور ایک روایت میں امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک بھی یہی ہے۔ اور ایک روایت میں امام مالکؒ کا بھی یہی مسلک ہے، جبکہ دوسری اور مشہور روایت کے مطابق امام مالک کا مسلک ''ارسال'' (ہاتھوں کو لٹکتے چھوڑ دینا) ہے۔①

اور چونکہ اس رائے کے قائلین کے دلائل میں سینے کا ہی ذکر آتا ہے۔ لہٰذا اصلاً دو ہی قول ہوئے سینے پر اور زیرِ ناف لہٰذا ان دونوں کے دلائل پیشِ خدمت ہیں۔ سینے پر ہاتھ باندھنے کے دلائل یہ ہیں:

(۱) پہلی دلیل:

ناف سے اوپر لیکن سینے کے نیچے ہاتھ باندھنے کے قائلین کی پہلی دلیل وہ حدیث ہے جس میں حضرت وائل بن حُجر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

((اَنَّهٗ رَاَی النَّبِیَّ ﷺ وَضَعَ یَمِیْنَهٗ عَلٰی شِمَالِهٖ ثُمَّ وَضَعَهُمَا عَلٰی صَدْرِهٖ)) ②

---

① (تحفة الاحوذی ۲/۸۳،۸٤)

② (ابن خزیمة (٤٧٩)، بیهقی ۲/۳۰۔ طبرانی ۲۲/۵۰)

''انہوں نے نبیٔ اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے (پہلے) اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں کے اوپر رکھا' پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے سینے پر باندھا۔''

اور ابنِ خزیمہ میں ہے:

((صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى عَلٰى صَدْرِهٖ (وَلَفْظُ الْبَزار:) عِنْدَ صَدْرِهٖ)) ①

''میں نے نبیٔ اکرم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھ کر اپنے سینے پر باندھا۔ (اور مسند بزار میں ہے کہ:) آپ ﷺ نے اپنے ہاتھوں کو سینے کے پاس باندھا۔''

امیر صنعانی نے سبل السلام میں اور امام شوکانی نے نیل الاوطار میں لکھا ہے کہ جن کا مسلک سینے سے نیچے ہاتھ باندھنے کا ہے وہ اس حدیث سے کیسے استدلال کر سکتے ہیں؟ جبکہ اس حدیث میں تو سینے پر ہاتھ باندھنے کا ذکر بالصراحت موجود ہے؟ لہٰذا یہ حدیث ناف سے اوپر اور سینے سے نیچے ہاتھ باندھنے کی نہیں بلکہ سینے پر ہاتھ باندھنے کی دلیل ہے۔ اور اکثر شافعی و حنبلی علماء و محققین کا عمل اسی کے مطابق ہے۔ اسے آپ زیرِ بحث موضوع میں دوسرا قول بھی کہہ سکتے ہیں۔ اور پہلے قول والوں کے دلائل وہی ہیں جو کہ دوسرے قول والوں کے ہیں۔ اور علماءِ تحقیق کا عمل بھی اسی پر ہے۔ لہٰذا اس مسئلہ میں صرف دو ہی معروف مسلک رہ جاتے ہیں' پہلا سینے پر ہاتھ باندھنا اور دوسرا ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا۔ اور ناف سے اوپر اور

---

① (ابن خزیمة ۱/۲۴۳' بیهقی ۲/۳۰' فتح الباری ۲/۲۲۴۔ النیل ۱/۲/۱۸۹)

سینے پر ہاتھ باندھنے والوں کی پہلی دلیل کے طور پر جو حدیث پیش کی گئی ہے اسے امام ابن خزیمہ نے صحیح قرار دیا ہے۔ اور ابن خزیمہ کی سند میں ایک راوی مؤمل بن اسماعیل ہے جس کا حافظہ کچھ خراب تھا۔ لہٰذا اس سند کو تو اس راوی کی وجہ سے ضعیف قرار دیا گیا ہے۔ لیکن یہ حدیث چونکہ کئی دیگر اسناد سے بھی مروی ہے' اور سینے پر ہاتھ باندھنے پر دلالت کرنے والی دوسری احادیث اس کی شواہد ہیں لہٰذا کبار محدثین نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ جیسا کہ صحیح ابن خزیمہ پر اپنی تعلیقات میں علامہ محمد ناصر الدین البانی نے کہا ہے۔ ①

حضرت العلام مولانا سید بدیع الدین شاہ صاحب راشدیؒ پیر آف جھنڈا فرماتے ہیں کہ اس روایت میں جو مؤمل بن اسماعیل ہے یہ وہ مؤمل ہی نہیں ہے جسے التہذیب وغیرہ کتبِ رجال میں ضعیف قرار دیا گیا ہے' بلکہ یہ دوسرا راوی ہے۔ اس بات کی تفصیل موصوف کی اس تحقیق و تخریج میں دیکھی جا سکتی ہے جو انہوں نے علامہ محمد حیات سندھی کے رسالہ فتح الغفور پر لکھی ہے۔

ایسے ہی حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری شرح صحیح البخاری' تلخیص الحبیر' الدرایۃ اور بلوغ المرام میں اور امام نووی نے شرح صحیح مسلم' الخلاصہ اور المجموع شرح المہذب میں نقل کیا ہے اور اس کی سند و متن پر کوئی کلام و جرح نہیں کی جس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کبار محدثین کے یہاں یہ حدیث صحیح یا کم از کم حسن درجہ کی ہے اور قابلِ استدلال و حجت بھی ہے۔ ②

حافظ ابن حجرؒ نے نہ صرف یہ کہ اپنی کتب میں اس حدیث کو ذکر کر کے اس پر جرح

---

① (تعلیقات الالبانی علی صحیح ابن خزیمہ ۲۴۳/۱)

② (دیکھئے فتح الباری ۲۳۴/۲ تلخیص ۴/۱' بلوغ المرام والسبل ۱۶۸/۱/۱' النیل ۱۸۹/۲/۱ ۔ المرعاۃ ۲۹۹/۲)

نہیں کی بلکہ فتح الباری کے مقدمہ میں انہوں نے لکھا ہے کہ میں کسی مسئلہ کے اثبات اور اس پر استدلال کے لئے صرف وہی حدیث نقل کروں گا جو صحیح یا کم از کم حسن درجے کی ہو۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے نزدیک ذکر کی گئی حضرت وائل بن حُجر رضی اللہ عنہ والی حدیث کم از کم حسن درجہ کی ہے۔ اور امام شوکانی ؒ جیسے نقاد و مجتہد نے بھی نیل الاوطار میں ابنِ خزیمہ کے اس حدیث کو صحیح کہنے کا ذکر کیا ہے اور ان پر کوئی تعاقب نہیں کیا' بلکہ موافقت کی ہے۔

علمائے احناف کا اعتراف:

اس حدیث کے صحیح ہونے کا اعتراف زیرِ ناف ہاتھ باندھنے کا مسلک رکھنے کے باوجود کبار علماءِ احناف نے بھی کیا ہے۔

① ابن امیر الحاج نے مُنیة المُصلّی کی شرح میں لکھا ہے کہ حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے سوا ہاتھ باندھنے کی جگہ کا تعین کرنے والی دوسری کوئی (صحیح) حدیث نہیں ہے۔ ①

② ایسے ہی بحر الرائق' شرح کنز الدقائق (صفحہ ۳۳۰ مصری) میں ابنِ نجیم نے بھی کہا۔ ②

③ علامہ محمد حیات سندھی جنہیں نصب الرایہ کے مقدمہ میں برصغیر پاک و ہند کے کبار محدثینِ احناف میں سے پہلے نمبر پر ذکر کیا گیا ہے۔ (نصب الراية ۱/ ٤٩)

انہوں نے تو نہ صرف یہ کہ اس حدیث کو صحیح کہا ہے بلکہ اپنے رسالہ (فتح الغفور فی وضع الایدی علی الصدور) جس کی علامہ سید بدیع الدین شاہ

---

① (بحواله المرعاة ٢٩٩/٢ فتح الغفور' ص ١٦'١٥)

2 (بحواله المرعاة ٢,٩٩/٢ فتح الغفور' ١٦'١٥)

صاحب نے تحقیق وتخریج بھی کی ہے۔①

اس میں لکھا ہے کہ نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنے کی مضبوط بنیاد اور واضح دلیل موجود ہے۔لہٰذا اہلِ ایمان کے لائق نہیں کہ وہ اس (سنت) سے انکار ونفرت کریں۔اور کوئی مسلمان اس چیز سے کیسے نفرت کرسکتا ہے؟ جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو۔②

شیخ محمد حیات سندھی نے اپنے رسالہ فوز الکرام میں لکھا ہے کہ یہ حدیث امام ابن خزیمہ کی شرط پر پوری اترنے والی ہے۔اور یہی بات الاتحاف میں حافظ ابنِ حجر کے انداز سے معلوم ہوتی ہے۔اور ابنِ سید الناس نے شرح ترمذی میں اس حدیث کے بارے میں جو کہا ہے کہ ابنِ خزیمہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے' اس سے بھی اس حدیث کے صحیح ہونے کا ہی پتہ چلتا ہے۔③

④ صحیحین وسننِ اربعہ کے محشی شیخ ابوالحسن سندھی حنفی نے ابو داؤد کے حاشیہ فتح الودود میں لکھا ہے:

''پھر امام ابوداؤد نے طاؤسؒ سے روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا:

''نبی اکرم ﷺ اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھتے تھے اور پھر اُن کو سینے پر باندھ لیتے تھے درآں حالیکہ آپ ﷺ نماز میں ہوتے تھے۔''④

---

① (بحوالہ ''نماز میں ہاتھ اٹھانے اور باندھنے کی کیفیت''۔از مولانا حافظ عبدالمنان صاحب نورپوری ص۲۹)

② (فتح الغفور' ص۳۹' بحواله المرعاة ايضاً)

③ (المرعاة ۲/۲۹' ۳۰۰)

④ (صحيح ابی داود ۱/۱٤٤' مراسيل ابو داود' ص۳۷ حديث(۳۲)

یہ حدیث اگر چہ مرسل ہے لیکن مرسل ہمارے اور جمہور کے نزدیک حجت ہے۔ پس یہ حدیث دلیل ہونے میں کافی ہے۔ اور کیسے کافی نہ ہو جبکہ حال یہ ہے کہ صحیح ابن خزیمہ میں حضرت وائل بن حُجر رضی اللہ عنہ سے یہ بات آ چکی ہے انہوں نے کہا:

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے اوپر سینے پر رکھا۔''

اور مسند احمد کی ایک حدیث میں حضرت ھلب رضی اللہ عنہ نے کہا ہے:

''میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھوں کو سینے پر رکھتے تھے۔''

المختصر جب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ہاتھ باندھنا ہی سنت ہے' چھوڑ نا سنت نہیں' تو یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اس کا مقام سینہ ہے نہ کہ کوئی اور جگہ۔ واللہ اعلم ①

ایک عبرت آموز واقعہ:

اس سے آگے حافظ صاحب موصوف نے ایک عبرت آموز واقعہ کے تحت شیخ ابوالحسن سندھیؒ کے بارے میں لکھا ہے:

''شیخ ابوالحسن سندھی حنفیؒ سینے پر ہاتھ باندھنے والی سنت و حدیث پر عمل بھی کیا کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں انہیں قید و بند کی صعوبت میں بھی مبتلا ہونا پڑا' جسے انہوں نے خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ چنانچہ محمد عابد سندھی اپنی کتاب ''تراجم الشیوخ'' میں شیخ ابوالحسن سندھی کے حالات میں لکھتے ہیں: شیخ صاحب حدیث پر عمل کرنے والے تھے' کسی مذہب کی آڑ لے کر حدیث کو نہ چھوڑتے تھے۔ رکوع سے پہلے' رکوع سے اٹھ کر اور دو رکعتوں

① (بحوالہ رسالہ حافظ عبدالمنان صاحب نور پوری ص ۳۹'۴۰)

سے اٹھ کر رفع یدین کیا کرتے تھے اور اپنے ہاتھ سینے پر باندھا کرتے تھے۔ ان کے زمانہ میں حنفی المذہب شیخ ابوالطیب سندھی بھی تھے جو اپنے مذہب سے عدول نہ کرتے تھے۔ یہ بزرگ شیخ صاحب موصوف سے مناظرہ کرتے، جب شیخ ابوالحسن دلائل پیش کرتے تو شیخ ابوالطیب ان دلائل کا جواب دینے سے عاجز آجاتے۔ پھر یہ نزاع و تکرار اُن کے مابین مسلسل قائم رہی تا آنکہ مدینہ منورہ میں روم کے حنفی قاضیوں میں سے ایک قاضی تشریف لائے تو شیخ ابوالطیب ان کے پاس گئے اور شیخ ابوالحسن کے، ان کے مذہب کی طرف مائل نہ ہونے اور بعض مسائل میں امام صاحب (ابوحنیفہؒ) کی مخالفت کرنے کی شکایت کی۔ قاضی صاحب موصوف نے شیخ ابوالحسن کے حال سے بحث و کرید کی تو انہوں نے شیخ ابوالحسن کو علوم و فنون میں امام پایا اور اہلِ مدینہ کو ان کے شاگرد۔ اس صورتِ حال کے پیش نظر قاضی صاحب مذکور نے ان (شیخ ابوالحسن) سے اپنے لیے دعا کروانے کے سوا کوئی گنجائش نہ پائی۔

پھر شیخ ابوالطیب ہر سال قاضی کے پاس شیخ ابوالحسن کا شکوہ کرتے رہے حتیٰ کہ ایک سال امام ابوحنیفہؒ کے مذہب پر ایک متعصب قاضی آ گیا تو شیخ ابوالطیب نے شیخ ابوالحسن کے معاملہ کی اس متعصب قاضی کے پاس بھی شکایت داغ دی۔ اس قاضی نے شیخ ابوالحسن کو اپنے پاس طلب و حاضر کیا اور حکم دیا کہ وہ اپنے ہاتھ زیرِ ناف باندھیں اور تکبیرِ تحریمہ کے علاوہ نماز میں کسی اور جگہ رفع یدین نہ کریں۔ شیخ ابوالحسن نے جواب دیا: میں یہ (آپ کے حکم کی تعمیل) نہیں کروں گا۔ قاضی صاحب نے انہیں ایک ایسی تاریک و اندھیری کوٹھڑی میں قید و بند کرنے کا حکم دے دیا جس کوٹھڑی میں بوجہ تاریکی قیدی اپنے اعضاء بھی نہ دیکھ سکے اور پاخانہ بھی وہ اسی کوٹھڑی میں

کرے۔ چنانچہ شیخ ابوالحسن ایسی کوٹھڑی میں چھ دن محبوس رہے۔ مدینہ والے شیخ صاحب کونصیحت کرتے کہ آپ قاضی صاحب کا حکم (زیر ناف ہاتھ باندھنا اور رفع یدین نہ کرنا) مان لیں اور قید سے رہا ہو جائیں۔ شیخ صاحب انہیں جواب دیتے ''میں وہ کام نہیں کروں گا جو میرے نزدیک صحیح و ثابت ہی نہیں' اور وہ کام نہیں چھوڑوں گا جو میرے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے عمل سے ثابت ہو چکا ہو۔'' اس پر انہوں نے حلف وقسم اٹھالی۔ لوگ قاضی صاحب کے پاس گئے تو قاضی صاحب نے بھی قسم اٹھالی کہ اگر اس (قاضی) نے شیخ صاحب کو سینے پر ہاتھ باندھے دیکھ لیا تو پھر وہ انہیں دوبارہ جیل میں ڈال دیں گے۔ لوگوں نے شیخ صاحب کومشورہ دیا کہ وہ بدن پر کپڑا لپیٹ کر کپڑے کے نیچے ہاتھ باندھ لیا کریں تا کہ شیخ اور قاضی دونوں کی قسمیں ٹوٹنے نہ پائیں۔ شیخ صاحب نے لوگوں کے اس مشورہ کو قبول فرمالیا۔ اس کے بعد تھوڑی مدت ہی گزرنے پائی تھی کہ کسی نے آ کر شیخ صاحب کو ان کی نماز میں قاضی صاحب کے فوت ہو جانے کی اطلاع دی تو شیخ صاحب نے فوراً کپڑا اُتار پھینکا۔'' ①

(۲) دوسری دلیل:

سینے پر ہاتھ باندھنے کی دوسری دلیل وہ حدیث ہے جس میں حضرت هلب طائی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْصَرِفُ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَعَنْ يَسَارِهٖ وَرَاَيْتُهٗ ...... يَضَعُ هٰذِهٖ عَلٰى صَدْرِهٖ))

''میں نے نبیٔ اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ دائیں جانب سے اور کبھی

---

① (رسالۂ مذکورہ صفحہ ٤٠ تا ٤٢)

بائیں سے پیچھے کی جانب مڑتے تھے اور میں نے دیکھا کہ ... آپ ﷺ انہیں (دونوں ہاتھوں کو) اپنے سینے پر رکھتے تھے۔''

اور آگے ایک راویٔ حدیث بیان کرتے ہیں:

((وَصَفَ يَحْيٰى (وَهُوَ ابْنُ سَعِيْدٍ) الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى فَوْقَ الْمِفْصَلِ)) ①

''یحییٰ (ابن سعید) نے اس کا طریقہ یہ بتایا کہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کے گٹے پر رکھا (پھر انہیں سینے پر باندھ لیا)''

اس حدیث کی سند کے راوی ثقہ اور امام مسلم کی شرائط پر پورے اترنے والے ہیں، سوائے قبیصہ بن هلب کے۔ اور قبیصہ کو بھی ابنِ حبان اور عجلی نے ثقہ کہا ہے۔ لیکن ان سے سماک بن حرب کے سوا کسی نے کوئی روایت بیان نہیں کی۔ اور ابن المدینی ونسائی نے اسے مجہول کہا ہے۔ لیکن حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ یہ مقبول راوی ہے۔ اس ساری وضاحت کے بعد اور امام ترمذی کی موافقت کرتے ہوئے دورِ حاضر کے بعض کبار محدثین کرام نے کہا ہے کہ ایسے راوی کی حدیث شواہد ومؤیدات میں لانے کے لیے حسن درجہ کی ہوتی ہے۔ ②

علامہ شوق نیموی حنفی آثار السنن میں اس حدیث کی سند کو حسن قرار دینے کے بعد لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں ''عَلٰی صَدْرِہٖ'' کا لفظ غیر محفوظ ہے۔ جبکہ موصوف کی یہ بات صحیح نہیں، کیونکہ کسی ثقہ راوی کے کسی لفظ کو بیان کرنے میں منفرد ہونے کو اس

① (مسند احمد ٢٢٦/٥، بحوالہ احکام الجنائز، ص ١١٨۔ الفتح الربانی ١٧٢/٣۔ نیل ١٨/٣/٢۔ المرعاۃ ٢٩٩/٢، ٣٠٠)

② (احکام الجنائز للالبانی، ص ١١٨۔ التقریب لابن حجر، ص ٤٢٣۔ نیل الاوطار ١٨/٣/٢۔ آثار السنن شوق نیموی، ص ٦٧)

کے غیر محفوظ ہونے کی دلیل قرار دینا اصولِ حدیث سے ناواقفیت والی بات ہے۔ بشرطیکہ وہ لفظ اوثق راوی کے بیان کردہ الفاظ کے منافی نہ ہو۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے نخبة الفکر میں لکھا ہے:

(وَزِيَادَةُ رَاوِيهِمَا مَقْبُولَةٌ مَا لَمْ تَقَعْ مُنَافِيَةً لِمَا هُوَ اَوْثَقُ) ①

''اوران دونوں (صحیح وحسن) کے راوی کے روایت کردہ زائد الفاظ مقبول ہیں جب تک وہ اوثق کے منافی نہ ہوں۔''

(۳) تیسری دلیل:

سینے پر ہاتھ باندھنے کے قائلین کی تیسری دلیل میں امام طاؤس فرماتے ہیں:

((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضَعُ الْيُمْنٰى عَلٰى يَدِهِ الْيُسْرٰى ثُمَّ يَشُدُّ بِهِمَا عَلٰى صَدْرِهٖ وَهُوَ فِي الصَّلٰوةِ)) ②

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھتے تھے اور ان کو سینے پر باندھ لیتے تھے درآں حالیکہ آپ ﷺ نماز میں ہوتے تھے۔''

اس حدیث کی سند جید وحسن درجہ کی ہے۔ اوراگر چہ مرسل ہے لیکن جمہور اہلِ علم کے نزدیک حجت ہے۔ احناف کے نزدیک تو مرسل حدیث قطعاً حجت ہوتی ہے۔ اوراحناف کی طرح ہی جمہور علماء بھی مرسل حدیث کی حجیت کے قائل ہیں۔ اور باقی رہ گئے وہ علماء جو مرسل کو حجت نہیں مانتے جب تک کہ وہ مرفوعاً

---

① (للتفصيل تحفة الاحوذی وابكار المنن' علامه عبدالرحمن مبارك پوری)

② (صحيح ابی داؤد ۱/ ۱۴۴ ،مراسيل ابی داؤدص: ۳۷ حديث : ۳۲، بحواله المرعاة ۲۹۹/۲ فتح الغفور' ص ۱۵'۱۶)

مروی نہ ہو یا اس کے شواہد نہ ہوں تو ان کے نزدیک بھی یہ حدیث قابلِ حجت ہے' کیونکہ اس کے دو شواہد ہم نے ذکر کر دیئے ہیں جو کہ حضرت وائل بن حُجر اور حضرت ھلب طائی رضی اللہ عنہما سے مروی احادیث کی شکل میں تھے۔ ①

(۴) ایک اور دلیل:

یہ تین دلائل تو بڑے واضح اور صریح ہیں' اور معمولی فہم و عقل رکھنے والا فوری طور پر ان سے بات سمجھ سکتا ہے' جبکہ اگر تھوڑا سا غور وخوض سے کام لیا جائے تو سینے پر یا کم از کم ناف سے اوپر ہاتھ باندھنے کی دلیل تو وہ حدیث بھی بن سکتی ہے جس میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((كَانَ النَّاسُ يُؤْمَرُوْنَ اَنْ يَضَعَ الرَّجُلُ الْيَدَ الْيُمْنٰى عَلٰى ذِرَاعِهِ الْيُسْرٰى فِي الصَّلٰوةِ)) ②

''لوگوں کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ آدمی نماز کے دوران اپنا دایاں ہاتھ بائیں بازو کی کلائی پر باندھے۔''

اب کوئی صاحب دائیں ہاتھ کو بائیں بازو کی کلائی کے کسی حصہ پر باندھ کر دکھائیں۔ بآسانی معلوم ہو جائے گا کہ اس کیفیت سے ہاتھ باندھنے والا سینے سے نیچے یا کم از کم ناف سے نیچے باندھ ہی نہیں سکتا۔ ایسے ہی ہاتھ باندھنے کی تیسری شکل کے تحت ابوداؤد و نسائی کی صحیح سند والی ایک حدیث گزری ہے جس میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی پشت اور گٹ اور کلائی پر رکھنے کا ذکر آیا ہے۔

---

① (المرعاة ۲/ ۳۰۰' واحکام الجنائز' ص ۱۱۸)

② (صحیح بخاری بحوالہ مشکوٰۃ ۱/ ۲۴۹ و موطا امام مالك مع الزرقانی ۱/ ۳۲۰'۳۲۱)

تو گویا فکر و تامل کرنے پر صحیح بخاری شریف اور دیگر صحیح احادیث میں بھی فَوْقَ السُّرَّةِ اور عَلَى الصَّدْرِ یا عِنْدَ الصَّدْرِ ہاتھ باندھنے کی طرف اشارہ موجود ہے۔ فَلْيَتَأَمَّلْ ①

بعض دیگر دلائل:

بعض دیگر امور بھی بطورِ تائید ذکر کیے جا سکتے ہیں' اگرچہ ان کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ اِن مذکورہ احادیث سے وضاحت ہو چکی ہے۔

① ان تائیدی دلائل میں سے ایک دلیل تو تیسویں پارے کی سورۃ الکوثر اور خصوصاً اس کی آیت ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ کی تفسیر ہے۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بعض مفسرین نے یہاں نحر سے مراد سینے پر ہاتھ باندھنا ہی لیا ہے۔ چنانچہ تفسیر فتح البیان ۱۰/٤٦٢' تفسیر طبری (ابن جریر) ج ۱۰' ص ۳۲٦' احکام القرآن ابن عربی' ج ٤' ص ۱۹۷۵' سنن کبریٰ بیہقی' ج ۲' ص ۳۰' نیز ابن ابی شیبہ' ابن المنذر' ابن ابی الحاج' دارقطنی اور مستدرك حاکم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف یہی تفسیر منسوب کی گئی ہے۔ لیکن حافظ ابن کثیرؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف اس تفسیر کی نسبت کو صحیح قرار نہیں دیا۔ ②

② سنن کبریٰ بیہقی' جلد ۲' صفحہ ۳۱ کے مطابق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے' احکام القرآن ابن العربی' جلد ٤' صفحہ ۱۹۸۷ کے مطابق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد ابوالجوزاء سے' فتح البیان' جلد ۱۰ صفحہ ٤٦۱ کے مطابق محمد بن کعب اور تفسیر ابن کثیر' جلد ۵ صفحہ ۷۱۱ (مترجم

---

① (تحقیق المشکاۃ للالبانی ۲٤۹/۱' وصفۃ الصلوۃ' ص ٤٤)

② (تفسیر ابن کثیر اردو ۷۱۱/۵)

اردو) کے مطابق امام شعبی سے بھی نحر کی تفسیر سینے پر ہاتھ باندھنا ہی ملتی ہے۔

③ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے ایک اثر ایسا بھی مروی ہے جس کی رو سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی سینے پر ہاتھ باندھنا منقول ہوا ہے۔ لیکن امام ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اس اثر کو سخت غریب قرار دیا ہے۔ ①

کبار آئمہ وعلماء کا عمل:

کبار آئمہ وعلماء کا بھی سینے پر یا سینے کے پاس اور ناف سے اوپر ہاتھ باندھنے پر عمل رہا ہے۔

① امام اسحاق بن راھویہؒ کے بارے میں امام مروزی "المسائل" میں لکھتے ہیں:

(كَانَ اِسْحٰقُ ...... يَضَعُ يَدَيْهِ عَلٰى ثَدْيَيْهِ اَوْ تَحْتَ الثَّدْيَيْنِ)②

''حضرت اسحاق بن راہویہ سینے پر یا چھاتی کے نیچے (پستانوں کے نیچے) ہاتھ باندھا کرتے تھے۔''

② ایسے ہی امام احمد بن حنبلؒ کے بارے میں ان کے فرزندِ ارجمند عبداللہ بن احمد "المسائل" میں لکھتے ہیں:

(رَاَيْتُ اَبِىْ اِذَا صَلّٰى وَضَعَ يَدَيْهِ اِحْدَاهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَوْقَ السُّرَّةِ)

''میں نے اپنے والدِ گرامی کو دیکھا ہے کہ وہ ایک ہاتھ کو دوسرے پر رکھ کر

① (تفصیل علامہ ابن الجوزی کی تفسیر زاد المسیر ج۲، ص۴۵۹ ،امام سیوطی کی تفسیر دُرِ منثور، ج۲، ص۳٤٦ اور ابن کثیر ج۱، ص۱۱۷تا ۱۱۹ پر بھی دیکھی جاسکتی ہے)

② (المسائل للمروزی، ص ۲۲۲، بحوالہ الارواء ۷۱/۲)

ناف سے اوپر (سینے کے قریب) باندھا کرتے تھے۔" ①

③ اسلامیانِ برصغیر کے مابین معروف ترین بزرگ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ (جو گیارہویں والے پیر کے نام سے مشہور ہیں) انہوں نے اپنی کتاب غنية الطالبين کے آغاز ہی میں مسنوناتِ نماز کے ضمن میں لکھا ہے:

(وَوَضْعُ الْيَمِيْنِ عَلَى الشِّمَالِ فَوْقَ السُّرَّةِ) ②

"اور دائیں ہاتھ کو بائیں پر ناف سے اوپر باندھنا سنت ہے۔"

④ معروف ماہرِ لغت اور عالم دین، صاحب القاموس المحیط علامہ فیروز آبادی نے بھی اپنی کتاب سفرِ سعادت (مترجم اردو) کے صفحہ ۲۳ پر صحیح ابنِ خزیمہ والی حدیث کے حوالے سے سینے پر ہاتھ باندھنے کو ہی اختیار فرمایا ہے۔

⑤ صحیحین وسننِ اربعہ کے محشی شیخ ابوالحسن حنفی سندھی سینے پر ہاتھ باندھنے والی حدیث وسنت پر عمل کیا کرتے تھے۔ اور "تراجم الشیوخ" میں شیخ محمد عابد سندھی نے موصوف کے حالات میں ایک واقعہ لکھا ہے جس میں ہے کہ سینے پر ہاتھ باندھنے کے سلسلہ میں انہیں قید وبند کی صعوبت میں مبتلا ہونا پڑا جسے انہوں نے خندہ پیشانی سے برداشت کیا (جیسا کہ تفصیلی واقعہ ذکر کیا جا چکا ہے)

غرض یہ تو دلائل اور عمل ہے ناف سے اوپر اور سینے کے پاس ہی نیچے کی جانب یا سینے پر ہاتھ باندھنے والوں کا، جبکہ یہ بات بھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ جن آئمہ وفقہاء نے ناف سے اوپر ہاتھ باندھنے کا کہا ہے انہوں نے دلیل کے طور پر جو احادیث پیش کی ہیں، وہ وہی ہیں جن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ پر ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے۔ اور متعدد احادیث پر مشتمل دلائل کی رو سے یہی راجح بھی ہے۔ وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ!

---

① (مسائل الامام احمد لابنه عبدالله، ص ٦٢، بحواله سابقه)

② (غنية الطالبين مترجم اردو، ص ٢٢، ٢٣)

زیرِ ناف ہاتھ باندھنے کے دلائل

اب آیئے اس سلسلہ میں دوسرا مسلک رکھنے والوں کے دلائل کا بھی مطالعہ کریں۔ اور یہ دوسرا مسلک احناف کا ہے جو کہ زیرِ ناف ہاتھ باندھنے کے قائل و فاعل ہیں، اوران کا استدلال بھی بعض احادیث سے ہے:

پہلی حدیث اور اس کی استنادی حیثیت:

ان کی پہلی اوراہم دلیل وہ حدیث ہے جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((اِنَّ مِنَ السُّنَّةِ فِی الصَّلٰوةِ وَضْعُ الْاَکُفِّ عَلَی الْاَکُفِّ تَحْتَ السُّرَّةِ)) ①

''نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا سنت ہے۔''

① بظاہر تو یہ صحابی کا قول ہے۔لیکن صحابی کا ((اِنَّ مِنَ السُّنَّةِ)) کہنا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ یہ مرفوع حدیث ہے۔ ②

② منتقیٰ الاخبار میں علامہ المجد ابن تیمیہ نے اسے مسند احمد اور سنن ابی داؤد کی طرف منسوب کیا ہے، جس کی شرح میں امام شوکانی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث ابوداؤد کے صرف اس ایک نسخے میں موجود ہے جو ابن الاعرابی کا نسخہ ہے۔

① (ضعيف ابی داود، ص ٧٤، الفتح الربانی ٣/١٧١، دارقطنی ١/١/٢٨٦۔ المنتقی ٢/٣/٢١، الارواء ٢/٦٩)

② (نصب الراية ١/١/٣١٤۔ نقلاً عن التقصی لابن عبدالبر)

ایسے ہی نصب الرایۃ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث ابن داسہ کے نسخے میں بھی ہے۔(نصب الرایۃ ۱/ ۳۱٤) دوسرے کسی نسخے میں یہ حدیث نہیں ہے۔

③ اسی طرح اس حدیث کو مسند احمد کی طرف مطلقاً منسوب کیا گیا ہے جبکہ یہ حدیث زوائد مسند احمد میں سے ہے جو امام احمدؒ کے فرزند عبداللہ نے مسند میں شامل کیے تھے۔

ان امور کے باوجود اگر اس حدیث کی سند صحیح یا حسن درجہ کی ہوتی اور متن بھی غیر متنازع فیہ ہوتا تو کوئی بات نہیں تھی، کسی بھی حدیث کا کسی ایک بھی کتاب میں صحیح سند و متن سے آجانا کافی ہوتا ہے، جبکہ اس روایت کی سند ایسی نہیں، بلکہ محدثینِ کرام نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، امام ابو حاتم اور امام بیہقی و بخاری جیسے مقتدر علماءِ رجال نے اس کی سند کے ایک راوی عبدالرحمٰن بن اسحاق الواسطی الکوفی کو ضعیف ومتروک، مُنْكِرُ الْحَدِيْثِ، لَيْسَ بِشَيْءٍ اور مُتَّفَقٌ عَلٰی ضُعُفِهٖ قرار دیا ہے۔ جیسا کہ نیل الاوطار (۲/۳/۲۱) بلوغ الامانی شرح الفتح الربانی ترتیب و شرح مسند احمد الشیبانی (۳/۱۱۷۱) ، ضعیف سنن ابی دائود، المرعاۃ (۲/ ۳۰۱) اوردیگر کتب وشروحِ حدیث میں مذکور ہے۔ اور شارح مسلم امام نووی نے بھی اس راوی کو بالاتفاق ضعیف قرار دیا ہے۔ جیسا کہ ان کی شرح مسلم (۲/٤/۱۱٥) اور الخلاصہ میں مذکور ہے۔ ①

بخاری شریف کی شرح فتح الباری میں بھی حافظ ابن حجرؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ والی اس حدیث کی طرف مختصراً اشارہ کیا ہے اور اسے ضعیف کہا ہے۔ ②

---

① (نیز دیکھئے: عون المعبود ۲/٤٥٦، التعلیق المغنی ۱/۱/۱۸٦، الارواء ۲/٦۹)

② (فتح الباری ۲/۲۲٤)

یادر ہے کہ امام بخاریؒ نے اس راوی کے بارے میں کہا ہے: فِیْـهِ نَـظَـرٌ کہ یہ راوی محلِ نظر ہے اور نصب الرایۃ (۳۱٤/۱) میں امام زیلعی نے بھی یہ لکھا ہے۔ اور ابن ہمام نے التحریر میں کہا ہے:

(اِذَا قَـالَ الْبُـخَـارِیُّ لِـلرَّجُلِ : فِیْهِ نَظَرٌ فَحَدِیْثُهٗ لَا یُحْتَجُّ بِهٖ وَلَا یُسْتَشْهَدُ بِهٖ وَلَا یَصْلُحُ لِلْاِعْتِبَارِ) ①

''جس آدمی کے بارے میں امام بخاری فِیْـهِ نَظَرٌ فرمادیں تو اس آدمی (یا راوی) کی حدیث قابلِ حجت نہیں ہوتی' نہ اس کی حدیث سے شہادت لی جا سکتی ہے اور نہ ہی وہ حدیث قابلِ اعتبار ہوتی ہے۔''

علماء احناف کی کتب میں امام بخاری کے الفاظ کی اس تشریح سے معلوم ہو گیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی یہ روایت نہ تو قابلِ حجت و استدلال ہے' نہ یہ کسی دوسری حدیث کی شاہد بننے کے قابل ہے اور نہ ہی اس کا کوئی اعتبار کیا جائے گا۔

حدیث علی رضی اللہ عنہ کا منسوخ ہونا:

ضعیف ہونے کے علاوہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی زیرِ ناف ہاتھ باندھنے والی وہ روایت احناف کے ایک اصول کی رو سے منسوخ بھی ہے۔ چنانچہ علماءِ احناف میں سے (الـــدرۃ فی اظهار غـش نقد الصرہ) کے مؤلف لکھتے ہیں کہ ابوداؤد میں حضرت جریر الضبیؒ سے مروی ہے:

(رَاَیْـتُ عَـلِیًّـا یُـمْسِکُ شِـمَـالَـهٗ بِیَـمِیْنِهٖ عَلَی الرُّسْغِ فَوْقَ السُّرَّةِ) ②

① (المرعاۃ ۳۰۱/۲)

② (ضـعیف ابـو داؤد' ص ٧٤ـ الـمـرعـاۃ ۳۰۱/۲' ۳۰۲ـ الارواء ۷۰/۲ـ البیهقی ۱۳۰/۲ ـ البخاری ۳۰۱/۱ تعلیقاً)

''میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ اپنے بائیں ہاتھ کو دائیں سے پکڑتے اور دائیں کو بائیں کے گٹ پر رکھتے ہوئے ناف کے اوپر رکھتے۔''

اس حدیث کونقل کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ ہمارے علماء کا ایک اصول ہے کہ جب کوئی صحابی عملاً اپنی روایت کی خلاف ورزی کرے تو اس کا عمل اس کی بیان کردہ روایت کے منسوخ ہونے کی دلیل ہوگا۔اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس عمل کا پتہ دینے والی یہ روایت ان کی بیان کردہ روایت سے اگر زیادہ قوی نہیں تو اس سے کچھ کم بھی نہیں ہے۔ ①

علماء احناف کے اس اصول کی رُو سے تَحْتَ السُّرَّةِ والی یہ حدیث تو منسوخ ہوئی۔اور اگر اسے منسوخ نہ بھی مانیں تو یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنا ذاتی عمل ہے' جس سے کسی مرفوع صحیح حدیث کو رد نہیں کیا جا سکتا۔اور پھر اس اثر میں فَوْقَ السُّرَّةِ کا لفظ ہے جو ناف کے اوپر اور سینے کے نیچے والے سارے حصے کے لیے بولا جا سکتا ہے۔لہٰذا ممکن ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ناف سے کافی اوپر سینے کے پاس ہاتھ باندھتے ہوئے ہوں۔لہٰذا یہ سینے پر نہیں تو سینے کے پاس ہاتھ باندھنے والوں کی دلیل ہے نہ کہ تحت السرۃ یا زیرِ ناف کی۔ ②

دوسری دلیل اور اس کا تجزیہ:

زیرِ ناف ہاتھ باندھنے کی دوسری دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:

---

① (بحوالہ سابقہ از المرعاۃ و تحفۃ الاحوذی:۸۸/۲)

② (تحفۃ الاحوذی ۸۹/۲)

((اَخۡذُ الۡاَکُفِّ عَلَی الۡاَکُفِّ فِی الصَّلٰوۃِ تَحۡتَ السُّرَّۃِ)) ①

''نماز میں ہتھیلی کو ہتھیلی پر زیرِ ناف رکھنا۔''

اس روایت کی سند میں بھی وہ راوی عبدالرحمٰن بن اسحاق کوفی موجود ہے جو تحت السُّرۃ یا زیرِ ناف ہاتھ باندھنے کا پتہ دینے والی پہلی حدیث میں ہے جس کے بارے میں محدثین کرام کے تنقیدی اقوال اور فیصلے ہم پہلی حدیث کے ضمن میں ذکر کر چکے ہیں۔ لہٰذا اس جرح وتنقید کو دہرانے کی ضرورت نہیں ہے اور اس کو روایت کر کے امام ابوداوٗد نے بھی اپنی سنن میں امام احمد بن حنبل کا قول نقل کر دیا ہے جس میں انہوں نے اس راوی کو ضعیف قرار دیا ہے۔ لہٰذا یہ روایت بھی نا قابلِ استدلال و نا قابلِ استشہاد اور نا قابلِ اعتبار ہوئی۔

تیسری دلیل...... بلا سند:

زیرِ ناف ہاتھ باندھنے کی تیسری دلیل وہ روایت ہے جسے علامہ ابن حزم نے المحلیٰ میں حضرت اَنس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے جس میں ہے:

((ثَلَاثٌ مِنۡ اَخۡلَاقِ النُّبُوَّۃِ: تَعۡجِیۡلُ الۡاِفۡطَارِ وَتَاۡخِیۡرُ السُّحُوۡرِ وَوَضۡعُ الۡیَدِ الۡیُمۡنٰی عَلَی الۡیُسۡرٰی فِی الصَّلٰوۃِ تَحۡتَ السُّرَّۃِ)) ②

''افطار کرنے میں جلدی کرنا' سحری میں تاخیر کرنا اور نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھ کر زیرِ ناف باندھنا' یہ تینوں اخلاق وعاداتِ نبوت میں سے ہیں۔''

---

① (ضعیف سنن ابی داوٗد' ص ٧٤)

② (المحلّٰی ٢/٤/١١٣' مسئلة ٤٤٨' الجوهر النقی ٢/٣٢)

ہاتھ باندھنے کے بارے میں اس مفہوم کی بعض صحیح احادیث گزری ہیں لیکن ان میں سے کسی میں بھی زیرِ ناف کا لفظ نہیں ہے۔اور حضرت انس رضی اللہ عنہ والی یہ روایت جس میں زیرِ ناف کا لفظ ہے اسے علامہ ابن حزم نے اپنی کتاب المحلی میں اور انہی کے حوالے سے ابن الترکمانی نے الجوھر النقی میں' اور ایسے ہی بعض دیگر مؤلفین نے اپنی کتب میں بلاسند نقل کیا ہے۔اور علامہ عبدالرحمٰن مبارک پوری تحفة الاحوذی میں اور علامہ عبیداللہ رحمانی" المرعاة شرح مشکوٰة میں لکھتے ہیں کہ اس کی سند ہی نامعلوم ہے۔سند ہوتی تو دیکھتے کہ اس کے راوی مقبول بھی ہیں یا نہیں؟ اور ابن حزم یا دیگر مؤلفین کا انسے بلاسند نقل کر دینا اس بات کی دلیل ہرگز نہیں بن سکتا کہ یہ روایت قابلِ استدلال و حجت ہے۔ ①

علامہ عبدالرحمٰن مبارک پوری نے یہی بات علماءِ احناف میں سے (الدرة فی اظهار غش نقد الصرة) کے مؤلف سے بھی نقل کی ہے' جس میں صاحب الدرة نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ حدیث دوسرے کئی محدثین نے روایت کی ہے' لیکن کسی نے اس میں لفظ تَحْتَ السُّرَّةِ روایت نہیں کیا۔اور ایسے اضافی کلمات ثقہ راوی سے مقبول ہوتے ہیں' لیکن وہ ثقہ راوی معلوم تو ہو' جبکہ اس روایت کی تو سند ہی نامعلوم ہے۔ ②

چوتھی دلیل:

اسی طرح کی ایک اور روایت بھی ہے جسے شیخ ہاشم سندھی نے دراھم القرة میں' زاہدی نے شرح القدوری میں' ایسے ہی ابن امیر الحاج اور پھر ابن نجیم نے

---

① (المرعاة ٢/ ٣٠٢)

② (بحواله تحفة الاحوذی ٢/ ٨٨)

البحر الرائق میں نقل کیا ہے۔اورزاہدی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس میں ہے:

((ثَلاثٌ مِنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِيْنَ : تَعْجِيْلُ الْإِفْطَارِ وَتَأْخِيْرُ السُّحُوْرِ وَوَضْعُ الْيَمِيْنِ عَلَى الشِّمَالِ تَحْتَ السُّرَّةِ فِي الصَّلٰوةِ)) ①

''(یہ) تین چیزیں سنتِ مرسلین میں سے ہیں:

① افطاری کرنے میں جلدی کرنا ② سحری کھانے میں تاخیر کرنا' اور
③ نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے اوپر رکھ کر زیرِ ناف باندھنا۔''

اس حدیث کی سند بھی نامعلوم ہے اور اس کے بارے میں خود علماء احناف میں سے ہی ابن امیر الحاج اور ابن نجیم نے کہا ہے کہ اس حدیث کو مرفوعاً اور موقوفاً روایت کرنے والے محدثین نے اس حدیث میں تَحْتَ السُّرَّةِ یا زیرِ ناف کا لفظ روایت نہیں کیا ہے۔ یہ شیخ ہاشم سندھی کا اپنی کتاب دراھم الصرۃ میں اس روایت پر تبصرہ ہے۔ ② جس سے اس روایت کا ناقابلِ استدلال واعتماد ہونا ثابت ہورہا ہے۔

پانچویں دلیل اور اس کی حقیقت:

زیرِ ناف ہاتھ باندھنے کی دلیل کے طور پر ہی وہ حدیث بھی پیش کی جاتی ہے جو کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے۔ اور اس کی اہمیت بڑھانے کے لیے بعض معاصرین نے نص اور حوالے سے پہلے لکھا ہے محدث ابن ابی شیبہ جو امام بخاری و مسلم کے استاذ ہیں۔ ③

---

① (بحواله التحفة ۸۸/۲، ۸۹) ② (بحواله سابقه)
③ (نماز مسنون' صفحه ۳۱۹)

وہ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

((رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّم یَضَعُ یَمِیْنَهُ عَلٰی شِمَالِهٖ تَحْتَ السُّرَّةِ)) ①

''میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں کے اوپر ناف کے نیچے رکھتے۔''

اس میں کوئی شک نہیں کہ محدث ابن ابی شیبہ امام بخاری و مسلم کے استاذ ہیں' لیکن یہاں یہ بات شک سے خالی نہیں کہ اس حدیث میں 'تَحْتَ السُّرَّةِ'' کے الفاظ اضافی ہیں' اصل نہیں۔

اس اجمال کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ ابن ابی شیبہ والی سند کے ساتھ اس حدیث کو بعینہٖ امام احمد نے اپنی مسند میں (٣١٦/٤)' امام نسائی نے اپنی سنن میں (١٠٥/١/١) امام دارقطنی نے اپنی سنن میں (١٨٦/١/١) اور امام بیہقی نے اپنی سنن کبریٰ میں (بحواله التعليقات السلفيه علىٰ النسائى) روایت کیا ہے' لیکن ان میں سے کسی کے یہاں بھی تَحْتَ السُّرَّةِ یا زیرِ ناف کے الفاظ نہیں ہیں۔ اس اضافے کے غیر صحیح ہونے پر عام محدثین کے علاوہ کئی علماء احناف نے بھی تحقیق کی ہے۔ اگر چہ ان میں سے ہی اسے صحیح ماننے والے بھی ہیں۔ چنانچہ عہدِ قدیم میں حافظ قاسم بن قطلو بغا نے اس اضافے کی نشان دہی کی تھی جو ظاہر ہے کہ قلمی نسخے میں تھی۔ انہوں نے اس کا ذکر تخريج احاديث الاختيار شرح المختار میں کیا تھا۔ اور شیخ محمد قاسم سندھی اور بعض دیگر علماء نے اس اضافے کی صحت کا بھی دعویٰ کیا کہ یہ الفاظ صحیح ہیں۔

---

① (بحواله عون المعبود ٤٦٢/٢ ۔ تحفة الاحوذی ٨٤/٢ ۔المرعاة ٣٠١/٢)

زیرِ ناف والے اضافے کے بارے میں علماءِ احناف کی تحقیقات:

اس دعوے کی تردید خود علماءِ احناف میں سے ہی علامہ محمد حیات سندھی نے کی اور علامہ انور شاہ کشمیری نے فیض الباری، جلد دوم، صفحہ ۲٦۷ پر ان کی تائید کی اور دعوائے صحت کارد کیا۔علامہ بدرِ عالم نے فیض البـاری کے حاشیہ میں اور علامہ شوق نیموی نے آثار السنن کے حـاشیہ التعلیق الحسن (صفحہ ۷۰) میں اس اضافے کو غیر محفوظ قرار دیا ہے۔اور انہوں نے اپنی تالیف (الدّرة الضـــرّة فی وضع الیدین تحت السُّرّة) میں بھی اس اضافے کو معلول قرار دیا ہے۔جیسا کہ حاشیہ فیض الباری سے پتہ چلتا ہے۔غرض ان اضافی الفاظ کواور تو اور خود کئی علماءِ احناف نے بھی صحیح نہیں مانا۔

① شیخ محمد حیات سندھیؒ:

انہوں نے اپنے رسالہ ((فتح الغفور فی وضع الایدی علی الصُّدور)) میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں تحتَ السُّرَّة یا زیرِ ناف کے الفاظ کا اضافہ محلِ نظر ہے، بلکہ یہ غلط ہیں اور سہواً حدیث میں درج ہو گئے ہیں، کیونکہ میں نے مصنف ابن ابی شیبہ کی مراجعت ومطالعہ کیا ہے اور اسی سند کے ساتھ اور انہی الفاظ پر مشتمل حدیث میں نے دیکھی ہے، لیکن اس میں تحـت السُّـرَّة کے الفاظ نہیں ہیں۔اور وہاں اس مرفوع حدیث کے بعد امام نخعی کا ایک اثر بھی مروی ہے اور اس کے الفاظ بھی اس مرفوع حدیث سے ملتے جلتے ہیں۔اور اس کے آخر میں ((فِی الـصَّـلٰوةِ تَحْتَ السُّـرَّةِ)) کے الفاظ ہیں۔اور ممکن ہے کہ کاتب کی نظر ایک جگہ سے اکھڑی اور دوسری جگہ جا پڑی ہو اور اس نے اِس موقوف اثر کے الفاظ مرفوع حدیث میں لکھ دیئے ہوں۔اور میری اس بات کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس اضافے پر تمام نسخے متفق

نہیں ہیں۔اور کئی محدثین کرام نے اس حدیث کو روایت کیا ہے لیکن ان میں سے کسی نے بھی زیر ناف کے الفاظ روایت نہیں کیے۔ بلکہ میں نے نہ سنا ہے اور نہ ہی دیکھا ہے کہ کسی بھی محدث نے اس حدیث کو اس اضافے کے ساتھ بیان کیا ہو سوائے قاسم بن قطلو بغا کے۔ ①

②صاحب الدرة فی اظهار غش نقد الصرة:

الدرہ نامی رسالہ کے مؤلف جو کہ ایک حنفی عالم ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ مصنف ابن ابی شیبہ والی حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی حدیث پر بہت لے دے کی گئی ہے۔ امام ابن ابی شیبہ نے اسے روایت کیا اور اس کے بعد امام نخعی کا اثر روایت کیا اور دونوں کے الفاظ ملتے جلتے ہیں۔اور موقوف اثر کے آخر میں تَحْتَ السُّرَّةِ کے الفاظ بھی ہیں۔اب اس کے نسخے مختلف ہو گئے۔ بعض میں اس حدیث کو ہاتھ باندھنے کی جگہ کے تعین کے بغیر ہی ذکر کیا گیا ہے، جبکہ اثر بھی موجود ہے، اور بعض نسخوں میں مرفوع حدیث میں تَحْتَ السُّرَّةِ کی تعیین آ گئی ہے اور وہاں سے اثر غائب ہے۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ مرفوع حدیث میں یہ الفاظ یوں داخل ہو گئے کہ کاتب سے سہواً درمیان سے ایک سطر کے برابر حروف چھوٹ گئے اور مرفوع حدیث کے آخر میں موقوف اثر کے الفاظ درج ہو گئے۔ ایسے ہی یہ بھی احتمال ہے کہ پہلے نسخے سے بھی یہ الفاظ "تَحْتَ السُّرَّةِ" ساقط ہو گئے ہوں۔ لیکن دو نسخوں کے ایسے اختلاف سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ موقوف اثر کے الفاظ مرفوع حدیث میں داخل ہو گئے ہیں۔ ②

---

① (بحواله عون المعبود ٤٦٢/٢ وتحفة الاحوذی ٨٤/٢)

② (تحفة الاحوذی ٨٤/٢، ٨٥)

③ شیخ محمد فاخر محدث الہ آبادیؒ:

شیخ محمد فاخر الہ آبادی نے "نُوْرُ السُّنَّۃ" کے عنوان سے جو منظومہ لکھا تھا' اس کے فارسی اشعار میں انہوں نے بھی قاسم ابنِ قطلو بغا کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انہوں نے مصنف ابنِ ابی شیبہ میں اس حدیث کے بارے میں جو نقل کیا ہے اس کا کوئی اعتبار و اعتماد نہیں' کیونکہ خود میں نے جو کتاب (مصنف) دیکھی ہے میں نے اُس میں ان کے مقصود کے خلاف لکھا ہوا پایا ہے۔ ①

تائید مزید:

اس اضافے کے غیر صحیح ہونے کی تائید دیگر کئی باتوں سے بھی ہوتی ہے۔ مثلاً:

① امام زیلعی کے استاذ ابن الترکمانی نے اپنے مسلک کی تائید میں علاّمہ ابن حزم سے دو ضعیف حدیثیں نقل کی ہیں۔ اوران سے قبل مصنف ابن ابی شیبہ سے ابومجلز کا اثر نقل کیا ہے۔ اس کے علاوہ ابن الترکمانی نے مصنف ابن ابی شیبہ سے کچھ بھی نقل نہیں کیا' اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مصنف ابن ابی شیبہ والی حدیثِ وائل رضی اللہ عنہ میں تَحْتَ السُّرَّۃ کے الفاظ نہیں ہیں۔ کیونکہ اگر یہ حدیث اس اضافے کے ساتھ مصنف میں موجود ہوتی تو ابن الترکمانی ضعیف حدیثیں نہ لاتے' یا کم از کم وہ حدیث لائے بغیر ابومجلز والا اثر نہ لاتے۔ کیونکہ یہ تو انتہائی بعید و ناممکن بات ہے کہ ابن الترکمانی ضعیف حدیثیں بھی لائیں اور خاص طور پر مصنف ابن ابی شیبہ سے ہی ابومجلز کا اثر بھی لائیں' لیکن صحیح سند والی یہ حدیث نہ لائیں۔ ان کے اس حدیث کو نہ لانے سے ظاہر ہوتا ہے کہ تب تک اس حدیث کے آخر میں یہ اضافی الفاظ نہیں تھے۔ ②

① (بحوالہ التحفۃ ۲/۸۵) ② (عون المعبود ۲/۴۶۲' التحفہ ۲/۸۵'۸۶)

② اس اضافے کے غیر صحیح ہونے کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ علامۂ دہر حافظ ابن عبدالبر نے ہاتھ باندھنے کے مقام کا ذکر کرتے ہوئے مؤطا امام مالک کی ضخیم شرح التمہید میں لکھا ہے کہ امام ثوری و امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہما نے زیرِ ناف کہا ہے اور یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابراہیم نخعیؒ سے بھی مروی ہے، لیکن ان سے یہ ثابت نہیں ہے۔ اور اگر اس اضافے سمیت یہ حدیث صحیح ہوتی اور یہ اضافی الفاظ بھی مصنف ابن ابی شیبہ میں موجود ہوتے تو علامہ ابن عبدالبر ضرور اس حدیث کو نقل کرتے، کیونکہ انہوں نے اس موضوع اور دوسرے موضوعات میں ابن ابی شیبہ سے بکثرت احادیث و آثار نقل کیے ہیں۔ ①

③ علمِ حدیث کے بحرِ زخار حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں ابن خزیمہ و مسند بزار سے حضرت وائل رضی اللہ عنہ والی حدیث اور مسند احمد سے حضرت ھلب طائی رضی اللہ عنہ والی حدیث نقل کی ہے اور الدرایۃ میں فتح الباری کی طرح ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تَحتَ السُّرَّۃِ والی حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کی معارض حضرت وائل رضی اللہ عنہ والی وہ حدیث ہے جس میں سینے پر ہاتھ باندھنے کا ذکر آیا ہے۔ اور اگر مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ اضافہ موجود (وصحیح) ہوتا تو ضرور اسے نقل کرتے، کیونکہ ان کی کتابیں مصنف ابن ابی شیبہ کی نقول سے بھری پڑی ہیں۔ ②

④ امام زیلعی جنہوں نے اپنے مسلک کے لیے احادیث سے دلائل جمع کرنے کے لیے کمرِ ہمت باندھی اور اس کام کا بیڑا اٹھایا، انہیں بھی اس اضافے پر مشتمل یہ روایت مصنف ابن ابی شیبہ میں نہ ملی۔ اور اگر یہ مصنف میں ہوتی تو وہ بھی ضرور

---

① (عون المعبود ٢/٤٦٣، التحفه ٢/٨٦)

② (العون ٢/٤٦٣، التحفه ٢/٨٦)

نقل کرتے' جبکہ وہ سب سے زیادہ وسیع المطالعہ ہیں۔ ①

⑤ امام سیوطی جن کا اپنے زمانے میں طوطی بولتا رہا' انہوں نے (وظائف الیوم واللیلة) میں سینے پر ہاتھ باندھنے والی حدیث کا مفاد لکھا ہے' اور الجامع الکبیر میں مصنف ابن ابی شیبہ سے مسند وائل رضی اللہ عنہ میں نو احادیث نقل کی ہیں۔ لیکن ان میں سے کسی میں بھی تَحۡتَ السُّرَّةِ والے الفاظ نہیں ہیں۔ اگر یہ الفاظ مصنف کی کسی روایت میں ہوتے تو وہ بھی نقل کرتے۔ ②

⑥ علامہ بدرالدین عینی حنفی نے بخاری شریف کی شرح عمدۃ القاری میں لکھا ہے کہ امام شافعیؒ نے ابن خزیمہ والی حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے' جس میں سینے پر ہاتھ باندھنے کا ذکر آیا ہے' جبکہ ہمارے علماءِ احناف غیر موثوقہ دلائل سے استدلال کرتے ہیں۔ ③

اگر مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ حدیث اس اضافے سمیت موجود ہوتی تو وہ بھی ضرور نقل کرتے' جبکہ ان کی تصانیف بھی ان کی نقول سے بھری پڑی ہیں۔ ④

⑦ ابن امیر الحاج جو وسعتِ مطالعہ وعلم کے اعتبار سے اپنے استاذ ابن الہمام کے ہم پلہ ہیں' وہ شرح المنیۃ میں لکھتے ہیں کہ سنت سے ثابت یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کو بائیں پر باندھا جائے' اور حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی سینے پر ہاتھ باندھنے کا پتہ دینے والی حدیث کے سوا کوئی حدیث ثابت نہیں ہے جو ہاتھ باندھنے کی جگہ کا پتہ دے۔ ⑤

---

① (العون ٢/٤٦٣' التحفة ٢/٨٦) ② (حوالہ سابقہ)

③ (عمدة القاری) ④ (العون والتحفہ)

⑤ (العون والتحفہ)

⑧ ایسے ہی "البحر الرائق" میں ابنِ نجیم نے بھی کہا ہے۔اور اگر مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ حدیث اس اضافے کے ساتھ موجود ہوتی تو ابنِ امیر الحاج اسے ضرور نقل کرتے جبکہ ان کی شرح المنیۃ ابن ابی شیبہ کی احادیث وآثار سے بھری پڑی ہے۔①

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ یہ سب معلومات شیخ محمد حیات سندھی نے بھی اپنے رسالہ فتح الغفور میں جمع کی ہیں اور آخر میں لکھا ہے کہ یہ تمام امور زیرِ ناف والے اضافے کے غیر صحیح ہونے کا پتہ دیتے ہیں۔②

ابراہیم اور ملا علی قاری نے بھی یہ اضافہ کہیں نقل نہیں کیا۔③

تحقیقِ جدید:

زیرِ ناف ہاتھ باندھنے کے دلائل میں سے ایک حدیث مصنف ابن ابی شیبہ سے پیش کی جاتی ہے جس کے آخر میں تحتَ السُّرۃ یعنی زیرِ ناف کے دو لفظ ایسے ہیں جو کہ دراصل حدیث کے نہیں ہیں' بلکہ کاتب کی غلطی کا نتیجہ ہیں (یا کسی کی ہوشیاری کا پھل') اور اس بات کی تائید میں ہم نے چند کبار علماء وفقہاء احناف کے اقوال یا انداز ذکر کیے ہیں۔اور ان سب کا تعلق تو مخطوطات یا قلمی نسخوں سے ہوسکتا ہے۔اور اب جبکہ مصنف ابن ابی شیبہ کے بعض ایڈیشن چھپ چکے ہیں' تو صورتِ حال یہ ہے کہ بعض ایڈیشنوں میں اب بھی تحتَ السُّرۃ کے الفاظ نہیں ہیں۔البتہ ایک ایڈیشن میں یہ الفاظ بھی چھاپ دیئے گئے ہیں۔چنانچہ ہفت روزہ الاعتصام لاہور کی اشاعت بابت ۲۰ جمادیٰ الثانیہ ۱۴۰۷ھ بمطابق ۲۰ فروری ۱۹۸۷ء میں ایک فاضل محقق

① (حوالہ جات سابقہ) ② (بحوالہ التحفہ ۸۷/۲)

③ (العون ٤٦٣/٢)

جناب مولانا ارشاد الحق صاحب اثری حفظہ اللہ نے ''خدمتِ حدیث کے پردے میں تحریفِ حدیث'' کے عنوان سے ایک مقالہ لکھا ہے جس میں انہوں نے واضح کیا ہے کہ مصنف ابن ابی شیبہ کی پہلی جلد سب سے پہلے ابوالکلام اکیڈمی حیدرآباد (انڈیا) نے ۱۳۸۶ھ بمطابق ۱۹۶۶ء میں شائع کی تھی اور پھر دوسری اور تیسری جلدوں کی طباعت کے بعد یہ کام رک گیا اور پھر اس عظیم الشان کام کی تکمیل الدار السلفیہ بمبئی میں مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کی زیرِ نگرانی ہوئی جو کہ پندرہ جلدوں کی شکل میں ہے۔ دوسری طرف مولانا مفتی محمد شفیع کے دادا مولانا نور محمد نے پیر آف جھنڈا (سندھ) میں موجود مصنف ابن ابی شیبہ کے قلمی نسخے کی مدد سے اسے سولہ جلدوں میں اپنے ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی کے زیرِ اہتمام شائع کیا اور اس تیسرے ایڈیشن کی جلد اول کے صفحہ ۳۹۰ پر (بَابُ وَضعِ الْيَدَيْنِ عَلَى الشِّمَال) کے تحت حضرت وائل بن حُجر رضی اللہ عنہ والی اس حدیث کے آخر میں (بڑی ڈھٹائی کے ساتھ) تَحْتَ السُّرَّةِ (یعنی زیرِ ناف) کے الفاظ کا اضافہ بھی شائع کر دیا، جبکہ ابوالکلام اکیڈمی حیدرآباد اور الدار السلفیہ بمبئی والے ایڈیشنوں میں یہ دونوں لفظ نہیں تھے۔ ①

۔ مولانا محمد داؤد راز دہلوی کے اردو ترجمۂ بخاری شریف کے نماز سے متعلقہ حصہ کتاب الصلوٰۃ کو مولانا کرم الدین سلفی نے دار القرآن کراچی سے اپنی مفصل تعلیقات کے ساتھ الگ کتابی شکل میں شائع کیا تھا۔ اس کے صفحہ ۳۰۷ پر ایک تعلیق حضرت العلام مولانا ابو محمد سید بدیع الدین شاہ صاحب راشدی رحمہ اللہ پیر آف جھنڈا کے حوالے سے لکھی ہے، جس میں حضرت پیر آف جھنڈا فرماتے ہیں کہ مصنف ابن ابی شیبہ (کا مخطوطہ اور اس) کے دونوں مطبوعہ نسخے ہمارے پاس موجود ہیں، لیکن ان

① (تفصیل کے لئے دیکھئے ہفت روزہ الاعتصام، مقالہ مذکورہ)

میں سے کسی میں بھی یہ اضافہ یعنی تحت السرۃ یا زیرِ ناف کے الفاظ نہیں ہیں۔ ①

یہ ہے مصنف ابن ابی شیبہ میں وارد حدیثِ حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی اصل اور تَحْتَ السُّرَّۃِ کے اضافی الفاظ کی حقیقت، جس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ حدیث اس اضافے کے ساتھ ناقابلِ استدلال ہے۔ البتہ اس اضافے کے بغیر یہ حدیث جید سند والی ہے۔ جیسا کہ عون المعبود، جلد دوم، صفحہ ٤٦٢، تحفۃ الاحوذی، جلد دوم، صفحہ ٤٧۔٤٨ پر اور المرعاۃ، جلد دوم، صفحہ ٣٠١ پر علماءِ حدیث اور علماءِ احناف سے منقول ہے۔ اور محض کسی حدیث کی سند کا صحیح وقوی ہونا اس بات کو لازم نہیں کر دیتا کہ اس کا متن بھی صحیح وقوی ہو۔ اور اس بات کا ثبوت ابن ابی شیبہ کی تَحْتَ السُّرَّۃِ کے اضافے والی یہ حدیث ہے۔ فَلْیَتَأمَّلْ!

''نمازِ مسنون'' (صفحہ ٣١٩) میں صوفی عبدالحمید سواتی نے جب یہ حدیث نقل کی تو ساتھ (طبع کراچی) کا حوالہ بطورِ خاص دیا۔ دیگر سینکڑوں جگہوں پر مصنف ابن ابی شیبہ کا حوالہ آیا، لیکن رطب ویابس کے ٨٣٧ صفحات پر مشتمل مجموعے میں دوسری کسی بھی جگہ کراچی نہیں آیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صوفی صاحب نے بھی کنوئیں سے باہر نہیں نکلنا چاہا۔ اور پھر جب انہوں نے شوق نیموی کی آثار السنن سے تصحیح نقل کی تھی تو کم از کم اُسی کے حاشیہ التعلیق الحسن سے اس اضافے کی معلولیت و ضعف بھی نقل کر دیتے اور انہی کی کتاب الدرۃ الضرۃ سے اس کی غیر محفوظیت اور معلولیت نقل کر دیتے مگر کہاں؟

چھٹی دلیل:

زیرِ ناف ہاتھ باندھنے کے دلائل کے طور پر بعض تابعین کے دو آثار بھی پیش

① (بحوالہ سابقہ و کتاب الصلوٰۃ، ص ٣٠٧)

کیے جاتے ہیں جن میں سے پہلا اثر مصنف ابن ابی شیبہ میں ہی ہے جس میں حجاج بن حسانؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابومجلز سے پوچھا:

(کَیْفَ اَضَعُ؟) ''میں ہاتھ کیسے باندھوں؟''

اس پر حضرت ابومجلز نے فرمایا:

(یَضَعُ بَاطِنَ کَفِّ یَمِیْنِہٖ عَلٰی ظَاھِرِ کَفِّ شِمَالِہٖ وَیَجْعَلُھُمَا اَسْفَلَ السُّرَّۃِ) ①

''اپنے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کے نیچے والے حصے کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کے اوپر والے حصے پر رکھ کر ناف کے نیچے باندھیں۔''

یہ محض ایک تابعی کا اثر ہے، نہ یہ صحابی کا عمل ہے اور نہ ہی نبی اکرم ﷺ کی سنت۔ اور جب اس اثر کی نفی کرنے والی صحیح احادیث موجود ہیں تو ان کے مقابلے میں کسی تابعی کے قول کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے؟ ②

ساتویں دلیل:

ایک دوسرا اثر بھی پیش کیا جاتا ہے جو کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہی ہے جس میں حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں:

(یَضَعُ یَمِیْنَہٗ عَلٰی شِمَالِہٖ فِی الصَّلٰوۃِ تَحْتَ السُّرَّۃِ) ③

''وہ نماز میں اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں کے اوپر ناف کے نیچے رکھے۔''

یہ بھی صغار تابعین میں سے ایک تابعی کا قول ہے۔ اور مرفوع حدیث کے مخالف ہونے کی وجہ سے لائقِ التفات نہیں ہے۔ اور یہاں یہ بات بھی پیشِ نظر رکھیں

---

① (بحوالہ تحفۃ الاحوذی ۸۵/۲) ② (المرعاۃ ۳۰۲/۲)

③ (بحوالہ سابقہ از مرعاۃ)

کہ اگر کسی مسئلہ میں کوئی مرفوع حدیث موجود ہو جس میں نبی اکرم ﷺ کی کوئی سنت بیان کی گئی ہو یا آپ ﷺ کا کوئی ارشاد بتایا گیا ہو اس کی تائید و شواہد کے طور پر دیگر احادیث اور صحابہ و تابعین کے آثار ذکر کیے جاتے ہیں یا پھر کسی مسئلہ میں کوئی واضح نص نہ مل رہی ہو تو آثارِ صحابہ و تابعین سے استفادہ کیا جاتا ہے لیکن اگر کسی صحیح مرفوع حدیث میں ایک بات آجائے تو تابعین کے آثار کی اس وقت کوئی اہمیت نہیں رہ جاتی بلکہ وہ حدیث کے مخالف ہونے کی وجہ سے ناقابلِ التفات قرار پاتے ہیں ...... یہی معاملہ یہاں بھی ہے کہ اگرچہ آثار السنن میں ان دونوں میں سے پہلے کی سند کو صحیح اور دوسرے کی سند کو حسن قرار دیا گیا ہے (بحوالہ نماز مسنون' ص ۳۱۹) لیکن ہیں تو یہ بھی تابعین کے اقوال ہی' کوئی مرفوع احادیث تو نہیں ہیں۔

نتیجہ بحث:

غرض علمِ حدیث کے بحرِ بے کراں علامہ البانی کے بقول:

''نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا ہی سنت سے ثابت ہے اور اس کے خلاف جو بھی روایات ہیں وہ یا تو ضعیف ہیں یا پھر لا اصل ہیں۔'' ①

اب رہی یہ بات کہ اگر کوئی شخص محض سنی سنائی یا کسی اور وجہ سے سنت پر عمل نہیں کرنا چاہتا تو وہ اس کی مرضی ہے۔لیکن بقول علامہ سندھی حنفی کے اس سنت سے انکار و نفرت تو نہ کریں' اور جو لوگ ان مرفوع و صحیح احادیث کی بناء پر اس سنت پر عمل پیرا ہیں انہیں ہدفِ طعن و تنقید تو نہ بنائیں۔اور ناف سے اوپر' سینے کے پاس یا سینے پر ہاتھ باندھنے کے قائلین و فاعلین کو بھی چاہیے کہ دلیل سے قائل کریں اور حکمتِ عملی و موعظہ حسنہ سے کام لیں۔انتہا پسندی یا تشدد پر اتر آنے کی ضرورت نہیں۔نماز میں

① (صفة الصلوٰة' ص ٤٤' حاشیہ)

ہاتھوں کو باندھنا سنت ہے' فرض وواجب نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معروف مفتی علامہ ابنِ باز کے بقول نماز تو ہاتھ چھوڑ کر پڑھنے والوں کی بھی ہو جاتی ہے۔ ①

اگر چہ امام شوکانی نے نیل الاوطار میں ہاتھ باندھنے کو واجب کہا ہے' ورنہ ترکِ افضل تو بہر حال ہے ہی' پھر بھی اسے ذریعۂ نزاع نہیں بنانا چاہیے۔

آئمہ مجتہدین نے اس مسئلہ میں تین راہیں اختیار فرمائی ہیں۔ مالکیہ نے ہاتھ کھلے اور لٹکائے رکھنا' شافعیہ اور اہلحدیث نے ناف سے اوپر' سینے کے نیچے یا سینے پر ہاتھ باندھنا اور احناف نے زیرِ ناف ہاتھ باندھنے کو اپنایا ہے۔ اور حنابلہ نے اس امر میں وسعت بتائی ہے کہ جیسے بھی پڑھ لیں نماز ہو جائے گی۔ جیسا کہ ابو طالب کے حوالے سے علامہ ابن قیم نے بدائع الفوائد' جلد دوم' جزء سوم' صفحہ ۹۱ پر لکھا ہے کہ میں نے امام احمد سے ہاتھ باندھنے کی جگہ کے بارے میں پوچھا تو پتا چلا کہ:

(كُلُّ ذٰلِكَ وَاسِعٌ عِنْدَهُ اِنْ وَضَعَ فَوْقَ السُّرَّةِ اَوْ عَلَيْهَا اَوْ تَحْتَهَا) ②

''اس امر میں ان کے نزدیک وسعت ہے۔ چاہے کوئی ہاتھ ناف کے اوپر باندھے یا ناف پر یا ناف کے نیچے (ہر طرح جائز ہے)۔''

اور یہی بات امام ابنِ قدامہ نے المغنی میں بھی لکھی ہے۔ ③

یہ تو ہوئی محض جواز کی بات' جبکہ افضلیت اور ارجحیت اہلحدیث اور شوافع والے مسلک کو ہی حاصل ہے' کیونکہ ان کے دلائل سب سے قوی تر ہیں۔

---

① (ثلاث رسائل فی الصلوۃ لابن باز' ص ۱۵)

② (بدائع الفوائد ۹۱/۳/۲)

③ (المغنی ۱٤۱/۲)

راہِ اعتدال:

اب رہی بات اختیار کرنے کی تو اگر کوئی اَرجح کو اختیار کرے تو وہ بھی اعتدال سے کام لے' اور اگر کسی کو ضرور مرجوح ہی کو اختیار کرنا ہے تو وہ بھی اعتدال کی حدود میں ہی رہے۔ انتہا پسندی اور تشدد کسی کے لیے بھی مناسب نہیں۔ جبکہ یہ چیز جانبین کے ہی بعض لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں ایک انتہائی معتدل مزاج عالمِ دین شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل صاحب سلفی ؒ آف گوجرانوالہ نے اپنی کتاب ''تحریکِ آزادیٔ فکر'' میں لکھا ہے:

''بعض حضرات بے حد غلو کرتے ہیں' اور یہ غلو دونوں طرف سے ہو رہا ہے جس کی اصلاح ضروری ہے۔ تَحْتَ السُّرَّةِ (زیرِ ناف) کے قائلین بعض حضرات ہاتھوں کو اِس قدر لٹکا دیتے ہیں کہ تَحْتَ السُّرَّةِ (زیرِ ناف) کی بجائے فَوْقَ الْعَانَةِ (یعنی زائد بالوں کی مخصوص جگہ پر ہاتھ باندھنے) کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ یعنی ''زیرِ ناف'' تک پہنچ جاتے ہیں اور فَوْقَ السُّرَّةِ (ناف سے اوپر ہاتھ باندھنے) کے قائلین تَحْتَ الْعُنُقِ یعنی گلے کے قریب باندھتے ہیں۔ یہ صورتیں نہایت بدنما اور مکروہ محسوس ہوتی ہیں۔ رہا ادب اور تعظیم' وہ تو سینہ پر ہاتھ باندھنے سے ہوتا ہے۔ ہاتھ نیچے لٹکا دینا تو ادب کے خلاف ہی نہیں بلکہ مکروہ معلوم ہوتا ہے۔ تلاوت کے وقت' سلام کے بعد ادب کے لیے عموماً ہاتھ سینے پر ہی رکھے جاتے ہیں' زیرِ ناف رکھتے آج تک ہم نے کسی کو نہیں دیکھا۔'' ①

یہ شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی ؒ کے الفاظ ہیں۔ اور وہ یقیناً راہِ اعتدال کی

① (تحریک آزادیٔ فکر' ص ۲۵۰ مرتبہ مولانا محمد حنیف یزدانی)

طرف راہنمائی کر گئے ہیں، جس پر مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ صوفی عبدالحمید صاحب نے ''نمازِ مسنون'' کے صفحہ ۳۲۰ پر نہ صرف یہ کہ ضعیف روایتوں کو صحیح سے راجح قرار دیا ہے بلکہ ''زیرِ ناف'' ہاتھ باندھنے کو اَقْرَبُ اِلَى التَّعْظِيمِ قرار دیا ہے۔ اوران ہر دو باتوں میں ہی نقل و عقل ہر دو کی خلاف ورزی کی ہے۔

مَرد و زَن کے ہاتھ باندھنے میں فرق:

نماز میں ہاتھ باندھنے کے اس موضوع کو ختم کرنے سے پہلے یہاں اس بات کی وضاحت کر دینا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ الفقه علی المذاهب الاربعة، جلد اول، صفحه ۲٤۹، ایسے ہی شرح نقایه اور کبیری (بحواله نمازِ مسنون' صفحه ۳۲۰) نیز السعایه حاشیه شرح وقایه (بحواله ماهنامه آثار) وغیرہ کی رُو سے احناف نے نماز میں ہاتھ باندھنے کے سلسلے میں بھی مَردوں اور عورتوں کے مابین فرق کیا ہے اور مَردوں کے زیرِ ناف ہاتھ باندھنے کے برعکس عورتوں کے لیے اسی بات کو سنت مانا ہے کہ وہ سینے پر ہی ہاتھ باندھیں۔ اور السعایہ میں مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے عورت کے حق میں اسی بات کے سنت ہونے پر علماء کا اتفاق نقل کیا ہے، اور یہی بات صحیح بھی ہے، کیونکہ سنت سے صرف سینے پر ہاتھ باندھنا ہی ثابت ہے کسی دوسری جگہ نہیں۔ اور یہی عورت کے لئے زیادہ پردہ کا باعث ہے، جسے علماء احناف نے اصل سبب قرار دیا ہے، حالانکہ اس کی حیثیت ثانوی ہے اور اصل سبب اس کا سنت سے ثابت ہونا ہے۔

اور جب ایک چیز حدیث شریف میں ثابت ہے اور حدیث میں اس کے لئے مَرد و زن کے مابین فرق بھی نہیں کیا گیا تو پھر ہمیں مَردوں اور عورتوں کے مابین ہاتھ باندھنے کی جگہ میں فرق کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ جبکہ اس فرق پر دلالت

کرنے والی کوئی ایک بھی صریح وصحیح دلیل نہیں ہے، نہ مرفوع حدیث اور نہ کسی صحابی کا اثر وقول۔①

البتہ رکوع وسجود وغیرہ سے متعلقہ بعض ضعیف و ناقابلِ استدلال روایات ملتی ہیں، جن کے بارے میں تفصیلی جائزہ بھی رکوع وسجدہ کے مسائل کے ضمن میں ہی پیش کیا جا سکتا ہے جبکہ اب صرف اتنا کہنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں کہ اگر وہ روایات جنہیں بعض مؤلفین نے (مثلاً صاحبِ نمازِ مسنون، صفحہ ۳۲۰۔۳۲۱) اس موضوع کے تحت جگہ دی ہے، صحیح ہوتیں تو کہا جا سکتا تھا کہ اُس مقام پر قیاس کرتے ہوئے اِس مقام پر بھی پردے کی غرض سے مردوں اور عورتوں کے ہاتھ باندھنے میں فرق ہوگا، لیکن ایسی بات بھی نہیں بلکہ وہ ضعیف ہیں۔ اور روایت کرنے والوں (یعنی امام بیہقی) نے خود ضُعف بیان بھی کر رکھا ہے۔ لیکن مؤلفین ضعف کے ذکر کو گول کر جاتے ہیں تا کہ یہ بات عوام سے پردہ میں ہی رہے، کیونکہ وہ کون سے سننِ کبریٰ بیہقی کھول کر دیکھ سکیں گے۔ لہٰذا ع

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے!

غرض دلائل کی رو سے مرد وزن کے مابین نماز میں ہاتھ باندھنے میں کوئی فرق ثابت نہیں۔ البتہ اس فرق کو ثابت کرنے والوں کی کوششوں کے نتیجہ میں اتنا تو ہوا کہ معاشرے کا آدھے سے زیادہ حصہ (عالمِ نسواں) سنتِ ثابتہ پر عمل کرتے ہوئے سینے پر ہاتھ باندھ کر نماز پڑھ رہا ہے۔ سنت پر عمل بھی ہو گیا اور ستر بھی۔ اور مردوں کو ایسے ستر کی ضرورت نہ سہی، سنت کی تو ہے، اور سنت مردوں کے لئے بھی وہی ہے جو عورتوں کے لئے ہے۔

(مرد وزن کی نماز میں عدمِ فرق کے بارے میں اسی نام کا ہمارا ایڈٹ کردہ رسالہ

---

① (المرعاۃ ۲/۳۰۲)

مکتبہ کتاب وسنت ریحان چیمہ سیالکوٹ اورتوحید پبلیکیشنز بنگلور سے شائع ہو چکا ہے جوکہ مفصل اور قابلِ مطالعہ ہے)

بوقتِ رکوع ہاتھوں کی کیفیت ومقام:

رکوع کرنے کا مسنون طریقہ و کیفیت کیا ہے؟ اس سلسلہ میں صحیحین و سننِ اربعہ، صحیح ابن خزیمہ ومصنف عبدالرزاق (نحوہ عن معمر) اور مسند احمد میں حضرت مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

((صَلَّيْتُ اِلٰى جَنْبِ اَبِىْ فَطَبَقْتُ بَيْنَ كَفَّىَّ ثُمَّ وَضَعْتُهُمَا بَيْنَ فَخِذَىَّ فَنَهَانِىْ عَنْ ذٰلِكَ وَقَالَ : كُنَّا نَفْعَلُ هٰذَا وَاُمِرْنَا اَنْ نَضَعَ اَيْدِيَنَا عَلَى الرُّكَبِ)) ①

''میں نے اپنے والد کے پہلو میں نماز پڑھی اور اپنے دونوں ہاتھوں کو ایک دوسرے میں ڈال کر دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں کے درمیان رکھ دیا تو انہوں نے مجھے اس سے منع کر دیا اور فرمایا: ہم ایسا کرتے تھے پھر ہمیں اپنے گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کا حکم دیا گیا۔''

یہ حدیث کتبِ احادیث میں گیارہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے جن کی تفصیل سنن ترمذی وتحفہ الاحوذی اور نیل الاوطار شوکانی میں دیکھی جا سکتی ہے۔ ②

ابوداؤد وابن خزیمہ میں حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ سے مروی اچھی طرح نماز نہ پڑھنے والے اعرابی کے واقعہ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے مخاطب ہوکر

① (بخاری مع الفتح ۲۷۳/۲ ـ ترمذی مع التحفة ۱۱۵/۲، ابوداؤد مع العون ۱۱۸/۳ـ۱۱۹، ابن خزیمة ۳۰۱/۱ عن عبدالله بن مسعود ۳۰۲/۱ عن مصعب بن سعد ـ المنتقیٰ ۲۴۴/۲/۱، طبع بیروت)۔

② (النیل ۲۴۴/۲/۱، ترمذی ۱۱۳/۲ ـ ۱۱۷)

فرمایا تھا:

((...... وَاِذَا رَكَعْتَ فَضَعْ رَاحَتَيْكَ عَلٰى رُكْبَتَيْكَ)) ①

''اور جب رکوع کرو تو دونوں ہتھیلیوں کو اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھو۔''

ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھنے کی کیفیت ابوداؤد و نسائی' ابن خزیمہ اور مسند احمد میں حضرت ابومسعود عقبہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آئی ہے جس میں ہے:

((اِنَّهٗ رَكَعَ فَجَافٰى يَدَيْهِ وَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ وَفَرَّجَ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ مِنْ وَّرَآءِ رُكْبَتَيْهِ' وَقَالَ : هٰكَذَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ)) ②

''انہوں نے رکوع کیا اور دونوں ہاتھوں کو الگ الگ اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھا اور اپنی انگلیاں کھلی رکھیں جو گھٹنوں کی پچھلی جانب کو تھیں اور کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح نماز پڑھتے دیکھا ہے۔''

صحیح ابن خزیمہ' ابن حبان' دار قطنی' بیہقی اور مستدرک حاکم میں حضرت وائل بن حُجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا رَكَعَ فَرَّجَ اَصَابِعَهٗ)) ③

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع کرتے تو اپنی انگلیوں کو کھلا رکھتے تھے''۔

---

① (ابن خزيمة ١/٣٠٢' والمنتقى ايضاً)

② (ابن خزيمة ١/٣٠٣' والمنتقى ١/٢/٢٤٣ و ٢٤٤)

③ (ابن خزيمة ١/٣٠١ و ٣٢٤ وصححه ،مسند احمد ٤/٢٠ وله شاهد مستدرك حاكم بيهقى ٢/١١٢' مجمع الزوائد ١/٢/١٣٨' ابن حبان ' ص ١٣٢' حديث ٤٨٨' الموارد۔وتخريج صلوة الرسول ٢٦٠ و ٢٦١ وصححه لشواهده)

جبکہ ترمذی' ابوداؤد' دارمی' بیہقی اور ابن خزیمہ میں حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ''کیفیتِ نمازِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم '' والی حدیث میں ہے:

((اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكَعَ فَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ كَاَنَّهٗ قَابِضٌ عَلَيْهِمَا وَوَتَّرَ يَدَيْهِ فَنَحَّاهُمَا عَنْ جَنْبَيْهِ)) ①

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کیا اور اپنے دونوں ہاتھوں کو یوں اپنے گھٹنوں پر رکھا گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھٹنوں کو پکڑے ہوئے ہیں' اور اپنے دونوں بازوؤں کو گولائی میں پہلوؤں سے الگ رکھا۔''

اور حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ والی سابقہ حدیث میں بھی ابن خزیمہ کے الفاظ ہیں:

((وَوَضَعَ رَاحَتَيْهِ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ وَجَعَلَ اَصَابِعَهٗ اَسْفَلَ مِنْ ذٰلِكَ ثُمَّ جَافٰى بِمِرْفَقَيْهِ)) ②

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دونوں ہتھیلیاں اپنے گھٹنوں پر رکھیں اور انگلیوں کو گھٹنوں سے نیچے کی طرف کر دیا اور کہنیوں کو پہلوؤں سے الگ رکھا۔''

بخاری و مسلم اور محلّی ابن حزم میں ہے:

((وَاِذَا رَكَعَ اَمْكَنَ يَدَيْهِ مِنْ رُكْبَتَيْهِ [كَاَنَّهٗ قَابِضٌ عَلَيْهِمَا] ثُمَّ هَصَرَ ظَهْرَهٗ)) ③

---

① (صحيح ابى داوٗد ١٤١/١،ترمذى مع التحفة ١١٧/٢' بيهقى ٧٣/٢' مشكوٰة ٢٥١/١ و صححه۔و صفة الصلوٰة للالبانى ' ص٧٣)

② (صفة الصلوٰة ايضا)

③ (صفة الصلوٰة ايضاً وتخريج صلوٰة الرسول ' ص ٢٦٠)

''جب آپ ﷺ رکوع کرتے تو ہتھیلیوں کو اچھی طرح گھٹنوں پر یوں رکھتے (کہ جیسے آپ ﷺ گھٹنوں کو پکڑے ہوئے ہوں) اور آپ ﷺ اپنی کمر کو بالکل سیدھا کر لیتے۔''

ان احادیث سے رکوع کی کیفیت کے سلسلہ میں یہ بات واضح ہوگئی کہ ہاتھوں کو گھٹنوں پر مضبوطی سے پکڑنے کے سے انداز سے یوں رکھا جائے کہ انگلیاں کھلی رہیں، بازو پہلوؤں سے دُور اور کہنیاں قدرے باہر کی طرف رہیں۔

قومہ میں ہاتھوں کی کیفیت:

سعودی عرب میں بعض لوگ رکوع سے اٹھ کر رفع یدین کرنے کے بعد قومہ میں ہاتھوں کو نیچے چھوڑنے کی بجائے اسی طرح باندھ لیتے ہیں جس طرح کہ پہلے انہوں نے قیام میں باندھے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور ہمارے پاک و ہند والے لوگ انہیں بڑے تعجب آمیز انداز سے دیکھتے ہیں، حالانکہ یہ کوئی عجوبہ وا چنبھا نہیں ہے، بلکہ بعض کبار علماء و مفتیانِ کرام نے ایسا کرنے کا کہا ہے، جن میں سے ہی سماحۃ الشیخ علامہ ابن بازؒ جیسے کبار علماء بھی ہیں۔ اور ان کا استدلال انہی سب احادیث سے ہے جن میں دورانِ قیام ہاتھ باندھنے کا حکم آیا ہے۔ اور ان کا کہنا ہے کہ جس طرح نماز میں رکوع کے وقت ہاتھوں کا گھٹنوں پر رکھنا اور سجود میں ہاتھوں کا زمین پر رکھنا احادیثِ شریفہ میں آیا ہے اسی طرح ہی کھڑے ہونے یا قیام کی حالت میں ہاتھوں کا باندھنا آیا ہے، اور وہ کھڑے ہونا قیام میں ہو یا قومہ میں دونوں اوقات میں کھڑے ہی تو ہوا جاتا ہے۔

لہٰذا قیام میں ہاتھ باندھنے والی احادیث سے ہی قومہ میں بھی ہاتھ باندھنا اخذ کیا گیا ہے۔ اور اپنے اس موقف کی تائید میں انہوں نے جو دلائل ذکر کیے ہیں وہ ان

کے (ثلاثُ رسائل فی الصّلوۃ) میں شامل تیسرے رسالہ (أین یضعُ المُصلّیٰ یدیہِ بعْدَ الرَّفعِ منَ الرُّکُوعِ) میں دیکھے جاسکتے ہیں' جو کہ درمیانے سائز کے آٹھ صفحات پر مشتمل رسالہ ہے' جسے دارالافتاء السعودیہ نے مجموعۃ رسائل فی الصّلوۃ کے صفحہ ۱۳۴ تا ۱۴۱ پر شائع کیا ہے۔ اور یہ (ثلاث رسائل فی الصّلوۃ) چھوٹے بڑے کئی سائزوں میں ملتے ہیں' حتیٰ کہ ۱۹۹۲ء میں ان کا اردو ترجمہ بھی ہمارے ایک فاضل دوست ابو یوسف جناب قاری محمد صدیق" صاحب (سابق نائب امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث الریاض) نے شائع کر دیا تھا۔ اور شیخ ابن باز" کی تائید میں لکھے گئے ایک رسالہ میں ایک دوسرے فاضل شیخ عبداللہ حمود التویجری" نے لکھا ہے کہ امام احمد بن حنبل" فرمایا کرتے تھے:

(إنْ شَاءَ اَرْسَلَ یَدَیْہِ بَعْدَ الرَّفْعِ مِنَ الرُّکُوعِ وإنْ شَاءَ وَضَعَھُمَا) ①

''رکوع کے بعد کوئی چاہے تو ہاتھ باندھ لے اور چاہے تو نیچے چھوڑ دے۔''

ایک طرف موصوف کا یہ رسالہ ہے جس میں قومہ کے دوران بھی ہاتھ باندھنے کو ترجیح دی گئی ہے جبکہ دوسری طرف جمہور اہلِ علم کا تعامل یہ ہے کہ قومہ میں ہاتھوں کو نیچے چھوڑا جائے۔

اور اسی مسلک کو راجح اور صحیح قرار دیتے ہوئے ایک دوسرے محدث علامہ محمد ناصر الدین البانی" نے قومہ میں ہاتھوں کو باندھنے کو بدعت قرار دیا ہے' جیسا کہ ان کی کتاب "صفۃ صلوۃ النبی ﷺ" (ص ۸۰ حاشیہ) میں مذکور ہے۔ اور موصوف نے شیخ التویجری کے نقل کردہ امام احمد" کے قول کے بارے میں لکھا ہے کہ

① (بحوالہ صفۃ الصلوۃ' ص ۸۰)

انہوں نے یہ بات اپنے اجتہاد ورائے سے کہی ہے' نبی ﷺ کی طرف منسوب نہیں کی کہ اسے سنت کہا ہو' اور اجتہاد ورائے میں کبھی خطا بھی ہو جاتی ہے۔ اور پھر اگر امام صاحب کے نزدیک قومہ میں ہاتھ باندھنے سنت ہوتا تو وہ باندھنے اور نہ باندھنے میں اختیار نہ دیتے بلکہ صرف باندھنے کا ہی کہتے جیسا کہ قیام میں ہے۔ (حوالہ سابقہ)

ان کی اس بات کا جواب شیخ ابن بازؒ نے اپنے رسالہ میں دیا ہے جو کہ تعمیری تنقید وتنقیح کا ایک بہترین نمونہ ہے کہ احترامِ باہمی میں سرِ مُو فرق نہیں آنے دیا۔ اور محققین علماء کو یہی طرزِ عمل زیب دیتا ہے۔①

جبکہ یہ ایک تحقیقی سا مسئلہ ہے جس میں اختلافِ رائے کو کسی غلط معنیٰ پر محمول نہیں کرنا چاہیئے۔ اور اس مسئلہ میں مختلف الرائے علماء ایک دوسرے کے باہمی احترام کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنی اپنی تحقیق کا نچوڑ پیش کرتے ہیں حتیٰ کہ کبارِ علماءِ سندھ میں سے دو افاضل جو کہ سگے بھائی بھی ہیں' اس مسئلہ میں ان دونوں کی تحقیق الگ الگ ہے اور دونوں نے اپنے اپنے موقف کی تائید میں الگ الگ مستقل رسائل لکھے ہیں۔ ہماری مراد حضرۃ العلام سید بدیع الدین شاہ صاحب راشدیؒ پیر آف جھنڈا اور ان کے بھائی علامہ سید محب اللہ شاہ صاحب راشدیؒ پیر آف جھنڈا ہیں۔ اور اس مسئلہ میں اختلاف بھی جائز و ناجائز کا نہیں بلکہ محض اولیٰ وغیر اولیٰ یا افضل وغیر افضل کا ہے' کیونکہ صرف ایک امام شوکانیؒ کو چھوڑ کر جو کہ قیام میں ہاتھ باندھنے کو واجب قرار دیتے ہیں' باقی جمہور علماءِ امت کے نزدیک تو ہاتھوں کا باندھنا قیام میں بھی واجب نہیں چہ جائیکہ یہ قومہ میں واجب ہو۔ اور قومہ میں ہاتھوں کی کیفیت کے اس موضوع کو ہم علامہ ابن بازؒ کے ان الفاظ کے ساتھ ختم کر رہے ہیں جن میں وہ فرماتے ہیں:

---

① (دیکھئے رسالہ مذکورہ' ص ۱۳۸۔۱۴۱)

''یہ ہاتھوں کو باندھنا سنت کے قبیل سے ہے واجبات میں سے نہیں ہے۔ اور اگر کوئی شخص قیام اور قومہ میں ہاتھوں کو باندھے بغیر لٹکائے ہوئے ہی نماز پڑھ لے تو اس کی نماز صحیح ہے' البتہ یہ ترکِ افضل ہے۔ اور مسلمانوں میں سے کسی کے لئے یہ لائق نہیں کہ وہ ایسے امور کو اپنے مابین جھگڑا و نزاع اور تفرق کا ذریعہ بنائے بلکہ سب پر واجب ہے کہ تمام ممکنہ کوششیں اس بات پر صرف کریں کہ برّ وتقویٰ کے امور میں تعاونِ باہمی بحال رہے اور حق کو دلیل کے ساتھ واضح کیا جائے اور ایک دوسرے کے خلاف حسد و بغض اور نفرت سے دلوں کو پاک وصاف رکھا جائے اور قبض و ارسال (ہاتھوں کو باندھنے اور چھوڑنے) جیسے فرعی مسئلہ کو بنیاد بنا کر ایک دوسرے سے ترکِ تعلقات اور ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے سے اجتناب کا رویہ ہرگز نہ اپنایا جائے۔'' ①

سجدہ میں دونوں ہاتھ کیسے؟

سجدہ میں دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو بھی زمین پر لگانا ضروری ہے اور اس بات کی پہلی دلیل ابوداؤد ونسائی' صحیح ابن خزیمہ' مسند احمد و سراج' بیہقی' المنتقیٰ ابن الجارود' موطأ امام مالک (موقوفاً) اور مستدرک حاکم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی وہ حدیث ہے جس میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((اِنَّ الْيَدَيْنَ تَسْجُدَانِ كَمَا يَسْجُدُ الْوَجْهُ ' فَاِذَا وَضَعَ اَحَدُكُمْ وَجْهَهُ فَلْيَضَعْ يَدَيْهِ' وَاِذَا رَفَعَهُ فَلْيَرْفَعْهُمَا)) ②

''ہاتھ بھی چہرے کی طرح سجدہ کرتے ہیں۔ تم میں سے جب کوئی چہرہ

---

① (ملحصاً از ثلاث رسائل' ص ۱٤۰ـ۱٤۱)

② (ابو داؤد ۳/ ۱٦٤ ، ابن خذیمه ۱/ ۳۲۰ و الفتح الربانی ۳/ ۳۷٦، ۳۷۷)

زمین پر لگائے تو دونوں ہاتھ بھی رکھے اور جب چہرہ اٹھائے تو دونوں ہاتھ بھی اٹھالے۔''

اسی طرح صحیح بخاری' ابوداؤد' ابن خزیمہ' بیہقی اور دیگر کتب میں حضرت ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے:

((فَاِذَا سَجَدَ وَضَعَ يَدَيْهِ غَيْرَ مُفْتَرِشٍ وَلَا قَابِضِهِمَا وَاسْتَقْبَلَ بِاَطْرَافِ اَصَابِعِهِ الْقِبْلَةَ...... الخ)) ①

''جب سجدہ کیا تو دونوں ہاتھوں کو نہ (کہنیوں تک) بچھا کر اور نہ (مٹھیوں کو) بھینچ کر زمین پر رکھا اور اپنی انگلیوں کو قبلہ رو رکھا۔''

صحیح ابن خزیمہ و مسند احمد میں حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ سے مروی ایک اعرابی والی حدیث میں ہے:

((ثُمَّ اِذَا اَنْتَ سَجَدْتَ فَاَثْبِتْ وَجْهَكَ وَيَدَيْكَ حَتّٰى يَطْمَئِنَّ كُلُّ عَظْمٍ مِنْكَ اِلٰى مَوْضِعِهٖ)) ②

''پھر جب تم سجدہ کرو تو اپنا چہرہ اور دونوں ہاتھ زمین پر خوب ٹکا کر رکھو۔ یہاں تک کہ تمہارے جسم کی تمام ہڈیاں اپنی اپنی جگہ پر پہنچ کر خوب ٹھہر جائیں۔''

ایسے ہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی سات اعضاءِ سجدہ کا پتہ دینے والی احادیث میں بھی دونوں ہاتھوں کا ذکر ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری و مسلم، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

---

① (بخاری ۲/ ۳۰۵، ابن خذیمہ ۱/ ۳۲٤)

② (ابن خذیمہ ۱/ ۳۲۲ و حسنہ الاعظمی و الالبانی فی الصلوۃ ص: ۸۲، مسند احمد ٤/ ۳٤۰)

((أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ : عَلَى الْجَبْهَةِ (وَأَشَارَ بِيَدِهِ عَلَى أَنْفِهِ) وَالْيَدَيْنِ وَ الرُّكْبَتَيْنِ وَأَطْرَافِ الْقَدَمَيْنِ)) ①

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سات ہڈیوں پر سجدہ کروں : پیشانی (اور آپ ﷺ نے اپنی ناک کی طرف بھی اشارہ فرمایا) دونوں ہاتھوں، دونوں گھٹنوں، اور دونوں قدموں کی پنجوں پر۔''

ایسی ہی بعض دوسری احادیث بھی ہیں جن سے دونوں ہاتھوں کو زمین پر لگانے کا پتہ چلتا ہے۔ البتہ ان میں ہاتھوں کو زمین پر لگانے کی کیفیت بھی مذکور ہے لہٰذا انہیں اسی کیفیت کے ثبوت کے طور پر آگے چل کر ذکر کرتے ہیں۔

سجدہ میں ہاتھوں کو رکھنے کی جگہ:

کتبِ حدیث میں یہ ذکر بھی آیا ہے کہ نمازی سجدہ کے دوران اپنے دونوں ہاتھوں کو یا تو اپنے کانوں کے پاس (برابر) رکھے یا پھر اپنے کندھوں کے برابر (پاس)۔

① اس سلسلہ میں ابو داؤد و نسائی، ابن خزیمہ، ابن حبان، سنن دارمی، مصنف عبدالرزاق اور شرح معانی الآثار طحاوی میں حضرت وائل بن حُجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں جب مدینہ منورہ آیا تو میں نے ارادہ کیا کہ میں نبی ﷺ کے نماز ادا فرمانے کے طریقہ کو بغور دیکھوں گا۔ چنانچہ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ نے تکبیرِ تحریمہ کہی۔ اور آگے طریقۂ نماز بتاتے ہوئے سجدہ کے وقت ہاتھوں کے بارے میں وہ بیان فرماتے ہیں:

((ثُمَّ هَوَى، فَسَجَدَ فَصَارَ رَأْسُهُ بَيْنَ كَفَّيْهِ))

① (بخاری: ۸۱۲، مسلم: ٤٩٣، صحيح الجامع: ١٣٦٩)

''پھر آپ ﷺ جھکے اور سجدہ کیا جبکہ آپ ﷺ کا سرِ اقدس آپ ﷺ کی دونوں ہتھیلیوں (یعنی ہاتھوں) کے درمیان تھا۔'' ①

اور صحیح مسلم میں حضرت وائل رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے:

((فَلَمَّا سَجَدَ، سَجَدَ بَيْنَ كَفَّيْهِ)) ②

''جب آپ ﷺ نے سجدہ کیا تو دونوں ہتھیلیوں کے مابین سجدہ کیا۔''

ایسے ہی ترمذی اور شرح معانی الآثار طحاوی میں ہے کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا:

((اَيْنَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضَعُ وَجْهَهُ اِذَا سَجَدَ؟ فَقَالَ: بَيْنَ كَفَّيْهِ)) ③

''نبی ﷺ بوقتِ سجدہ چہرۂ مبارک کہاں رکھتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا: دونوں ہتھیلیوں کے درمیان۔''

حضرت وائل والی حدیث کے شاہد ہونے کی بناء پر یہ حدیث صحیح ہے' کیونکہ ان دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے اور وہ ازروئے سند صحیح ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ وہ لوگ جو بوقتِ سجدہ اپنے ہاتھوں کو سر سے بھی آگے گزار دیتے ہیں ان کا یہ فعل صحیح نہیں ہے' اور پھر ایسا کرنے سے کلائیاں زمین پر لگ جاتی ہیں جو کہ سخت منع ہے۔

---

① (ابن خذیمہ ۱/۳۲۳۔۳۲٤، ابن حبان ص:۱۳۲، الموارد حدیث: ٤٨٨، تحفہ الاحوذی :۲/ ۱٤٤، نصب الرایہ ۱/ ۳٨۱)

② (مسلم ۲/٤/۱۱٤ و تحفہ الاحوذی ۲/۱٤٤)

③ (ترمذی و التحفہ ۲/۱٤٤۔۱٤٥، نصب الرایہ ۱/ ۳٨۱)

② دورانِ سجدہ ہاتھوں کو کندھوں کے پاس (برابر) رکھنا بھی صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ چنانچہ ابوداؤد و ترمذی' ابن ماجہ' ابن خزیمہ' شرح السنہ اور دارمی و بیہقی میں مروی حضرت ابوحمید ساعدی رحمۃ اللہ والی حدیث میں ہے:

((وَوَضَعَ كَفَّيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ)) ①

''اور اپنی دونوں ہتھیلیوں کو اپنے دونوں کندھوں کے برابر زمین پر رکھا۔''

اس حدیث سے اس بات کا پتہ بھی چل جاتا ہے کہ بعض لوگ جو اپنے گھٹنوں سے جوڑ کر ہی ہاتھ رکھ لیتے ہیں وہ سنت سے کچھ ''پیچھے'' رہ جاتے ہیں' کیونکہ حدیث شریف میں صرف یہ دو جگہیں ہی آئی ہیں' یا کانوں کے برابر یا کندھوں کے برابر' اور یہی دونوں جائز و ثابت ہیں۔

ان دونوں طرح کی احادیث میں الگ الگ جگہ کے وارد ہونے کو امام ابن خزیمہ نے "اختلافِ مباح" میں سے قرار دیا ہے۔ یہ اللہ کی رحمت اور دین کی آسانی کا مظہر بھی ہے کہ ان دونوں جگہوں میں سے جو جہاں بھی ہاتھ رکھ لے اُس کی نماز صحیح و مسنون کیفیت کے مطابق ہوگی۔ البتہ ہاتھوں کو گھٹنوں کے ساتھ اور پسلیوں کے برابر رکھنا کہیں نہیں آیا لہٰذا کاہلی و سستی کے نتیجہ میں ایسا کرنے والوں کو اپنی اصلاح کر لینی چاہیئے۔

سجدہ میں ہاتھوں اور انگلیوں کی کیفیت:

اب رہی یہ بات کہ ہاتھوں اور انگلیوں کو کس طرح رکھا جائے' تو اس سلسلہ میں حسن درجہ کی سند کے ساتھ حضرت وائل بن حُجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا سَجَدَ ضَمَّ

---

① (و قد مرّ تقریباً)

اَصَابِعَهُ)) ①

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کوایک دوسری سے ملا کرر کھتے تھے''

اس روایت کے صرف ایک راوی ہشیم کی تدلیس و عنعنہ کے پیشِ نظر بعض محدثین نے اسے صحیح کہنے سے توقف کیا ہے۔جبکہ ابن حبان و ابن خزیمہ نے اسے اپنی اپنی صحیح میں وارد کیا ہے' اور امام حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور علامہ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔اور مدلسین راویوں کے بارے میں امام ابنِ حبان نے اپنی صحیح میں جو صراحت کی ہے اس کی رو سے یہ سند کم از کم حسن درجہ کی ہے۔

مجمع الزوائد میں علامہ ہیثمی نے اس حدیث کو معجم طبرانی کبیر کی طرف منسوب کرتے ہوئے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔غرض شواہد کی بناء پر یہ حدیث صحیح ہے۔اور ان میں سے ایک شاہد ابو داؤد و نسائی' ابن خزیمہ اور مسند احمد میں حضرت ابو مسعود عقبہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جو کہ ہم ''کیفیتِ رکوع'' کے ضمن میں بیان کر آئے ہیں اور دوسری شاہد حدیث ابو داؤد و ترمذی' ابن خزیمہ' بیہقی اور دارمی میں حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور وہ بھی ''بوقتِ رکوع ہاتھوں کی کیفیت و مقام'' کے ضمن میں بیان کی جا چکی ہے اور تیسری شاہد حدیث مصنف عبد الرزاق میں حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ان شواہد سے مل کر یہ حدیثِ وائل رضی اللہ عنہ صحیح ہو جاتی ہے۔اور اس میں یہ بات آ گئی ہے کہ بوقتِ سجدہ ہاتھوں کی انگلیوں کو

---

① (ابن خذیمه ۳۲٤،۳۰۱/۱، دار قطنی ۳۳۹/۱/۱، ابن حبان ص: ۱۳۲ حدیث: ٤۸۸، المو رد الاحسان: ۲٤۸/٥، مسند احمد ۱۲۰/٤ شاهد لهٗ . بیهقی ۱۱۲، مستدرك حاكم ۲۲۷/۱)

ایک دوسری سے ملا کر رکھنا چاہیے۔

ہاتھوں کی انگلیاں قبلہ رُو رہیں اور انہیں جوڑ کر رکھنے سے ایسا خود بخود ہو جائے گا۔ البتہ بعض لوگ بڑی بے توجہی سے ہاتھوں کو زمین پر اس طرح رکھتے ہیں کہ ان کی انگلیاں چاہے جُڑی ہوئی ہی کیوں نہ ہوں وہ اپنے ہاتھوں کا رخ دائیں بائیں کر دیتے ہیں جس سے انگلیاں قبلہ رو ہونے کی بجائے شمال وجنوب کی طرف ہو جاتی ہیں۔ یہ انداز آدابِ سجدہ کے منافی ہے' کیونکہ صحیح بخاری و ابو داؤد' شرح السنہ' بیہقی اور ابن خزیمہ میں حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے:

((فَإِذَا سَجَدَ وَضَعَ يَدَيْهِ غَيْرَ مُفْتَرِشٍ وَلَا قَابِضِهِمَا وَاسْتَقْبَلَ بِأَطْرَافِ أَصَابِعِهِ الْقِبْلَةَ)) ①

''جب سجدہ کیا تو دونوں ہاتھوں کو نہ (زمین پر) بچھا کر اور نہ (انگلیوں کو) بھینچ کر زمین پر رکھا۔ اور دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو قبلہ رُو رکھا۔''

اسی طرح بیہقی میں بسند صحیح اور ابن ابی شیبہ وسراج کے یہاں ایک دوسرے طریق سے بھی آیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگلیوں کو قبلہ رُو رکھتے تھے۔ صحیح ابن حبان و مصنف عبدالرزاق' ابن خزیمہ اور معجم طبرانی کبیر' المختارہ للضیاء و مستدرك حاکم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((لَا تَبْسُطْ ذِرَاعَيْكَ كَبَسْطِ السَّبُعِ وَادَّعِمْ عَلٰى رَاحَتَيْكَ وَتَجَافَ عَنْ ضَبْعَيْكَ فَإِنَّكَ إِذَا فَعَلْتَ ذٰلِكَ سَجَدَ كُلُّ عُضْوٍ مِنْكَ))

---

① (بخاری ۲/ ۳۰۵، ابن خذیمه ۱/ ۳۲٤، شرح السنه ۳/ ۱٤۷، بیهقی ۲/ ۱۱٦

''جانور کی طرح زمین پر بازو نہ بچھاؤ۔ اپنی ہتھیلیوں کے بل پر رہو اور بازوؤں کو پہلوؤں سے الگ رکھو۔ اگر ایسا کرو گے تو تمہارے ہر عضو کا سجدہ ہوگا۔'' ①

اور اِدَّعِمْ عَلٰی رَاحَتَیْكَ (اپنی ہتھیلیوں پر ٹیک لگاؤ) کی وضاحت ایک دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ صحیح ابن حبان و بیہقی' ابن خزیمہ و مسند احمد میں حضرت براءؓ سے مرفوعاً اور مصنف ابن ابی شیبہ میں موقوفاً مروی ہے:

((كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْجُدُ عَلَى الْيَتِيِ الْكَفِّ)) ②

''نبی ﷺ ہاتھوں کے انگوٹھوں اور چھنگلیوں کے جوڑوں والے حصوں (گبیوں) پر سجدہ کرتے تھے۔''

صحیح مسلم و بیہقی میں ہتھیلیاں زمین پر رکھنے اور کہنیوں (بازوؤں) کو اٹھا کر رکھنے کا باقاعدہ حکم وارد ہوا ہے۔ چنانچہ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ارشاد نبوی ﷺ ہے:

---

① (الاحسان بترتیب ابن حبان ٢٤٢/٥، ابن خذیمه ٣٢٥/١ و حسنه الالبانی فی تعلیقاته علی ابن خذیمه ، انظر نصب الرایه ٣٨٠/١، ٣٨٦،مجمع الزوائد ١/ ٢/ ١٢٦، صفه الصلوٰة ص: ٨٤و صححه الارواء ٢/ ٢٤٢).

② (الاحسان بتقریب ابن حبان ٢٤٣/٥، ابن خذیمه ٣٢٣/١، بیهقی ٢/ ١٠٧، مصنف ابن ابی شیبه موقوفاً ١/ ٣٦١ كما فی الاحسان ، مسند احمد ٤/ ٢٩٥و قال الاعظمی فی تحقیق ابن خذیمه و قال الهیثمی فی المجمع ١/ ٢/ ١٢٩رجاله رجال الصحیح و لم یعقب علیه الالبانی و الارناؤوط)

((اِذا سَجَدْتَ فَضَعْ كَفَّيْكَ وارْفَعْ مِرْفَقَيْكَ)) ①

''جب تم سجدہ کرو تو ہتھیلیاں زمین پر رکھو اور کہنیاں زمین سے اٹھا کر رکھو''۔

دوسرے سجدہ سے ہاتھوں کے بل اُٹھنا:

اس طرح جب دونوں سجدوں سے فارغ ہو کر جلسہٗ استراحت میں لمحہ بھر کے لئے بیٹھ لیں تو پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو زمین پر رکھیں اور انہی کے بل پر اٹھیں، کیونکہ صحیح بخاری، مسند شافعی اور سنن کبریٰ بیہقی میں حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((وَاِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السَّجْدَةِ الثَّانِيَةِ جَلَسَ وَاعْتَمَدَ عَلَى الْاَرْضِ ثُمَّ قَامَ)) ②

''جب آپ ﷺ نے دوسرے سجدہ سے سر اٹھایا تو بیٹھ گئے اور پھر زمین پر ہاتھوں کی ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے''۔

ایک وضاحت:

یہاں ایک وضاحت بھی کرتے جائیں کہ بعض آثار سے پتہ چلتا ہے کہ بعض صحابہٗ کرام قدموں کے پنجوں کے بل اٹھا کرتے تھے۔ مثلاً:

سنن کبریٰ بیہقی، مصنف عبدالرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت ابن مسعود، حضرت علی اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے صحیح اسانید کے ساتھ مروی ہے کہ وہ قدموں کے پنجوں کے بل اٹھا کرتے تھے۔

① (مسلم ۲/ ۱۰/٤، بیهقی ۲/ ۱۱۳)

② (بخاری ۲/ ۳۰۳، بیهقی ۲/ ۱۲۳، صفه الصلوة ص: ۹۲)

ان آثار اور جلسۂ استراحت سے اٹھنے کے انداز والی احادیث و آثار کے مابین یوں جمع و تطبیق ممکن ہے کہ ان احادیث و آثار کو پہلی اور تیسری رکعت سے اٹھتے وقت والے ''جلسۂ استراحت'' پر محمول کیا جائے اور ان آثار کو قعدۂ اولیٰ یا تشہد اوّل سے فارغ ہو کر اٹھنے کی حالت پر محمول کر لیا جائے۔ اس طرح ہر دو طرح کی احادیث و آثار پر بیک وقت عمل ممکن ہے۔ اور یہ جمع و تطبیق اس لئے بھی ضروری ہے کہ صرف حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اگر یہ اثر ثابت ہے تو زمین پر ہاتھ رکھ کر اٹھنے سے تعلق رکھنے والا اثر بھی ان سے صحیح سند سے ثابت ہے۔ اور پھر قعدہ کے بعد اٹھنے کے طریقہ سے تعلق رکھنے والی کوئی حدیث بھی تو موجود نہیں، لہٰذا ان آثار کو اس حالت پر محمول کیا جا سکتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مرفوع حدیث میں نبی ﷺ کا قول و عمل آ جائے تو پھر موقوف روایت میں وارد ہونے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کے عمل کی حیثیت کم پڑ جاتی ہے۔ اس لحاظ سے زمین پر ہاتھ رکھ کر اٹھنا ہی اولیٰ ہے۔

جلسۂ استراحت و قعدہ سے اٹھتے وقت ہاتھوں کا انداز:

بعض احادیث میں جلسہ و قعدہ سے اٹھتے وقت زمین پر ہاتھوں کو رکھنے کا انداز بھی مذکور ہے کہ ہاتھوں کو اس طرح بند رکھا جائے جس طرح آٹا گوندھتے وقت دونوں ہاتھوں کی مُٹھیاں بند ہوتی ہیں، اور انہی بند مُٹھیوں کو زمین پر ٹیک کر اُن کے سہارے اٹھا جائے۔ چنانچہ:

① ابو اسحاق الحربی نے اپنی کتاب ''غریب الحدیث'' میں ایک روایت وارد کی ہے جس میں ہے:

((اِنَّـهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَعْجِنُ فِي الصَّلٰوةِ يَعْتَمِدُ

عَلٰی یَدَیْہِ اِذَا قَامَ)) ①

''آپ ﷺ نماز میں (اٹھتے وقت گویا) آٹا گوندھتے تھے۔جب کھڑے ہوتے تو ہاتھوں کے بل اُٹھتے تھے۔''

②اسی معنیٰ ومفہوم کی ایک حدیث سنن کبریٰ بیہقی (۱۳۵/۲) میں بھی ہے اوراس کی سند بھی صحیح ہے۔

③ طبرانی اوسط میں ایک اثر بھی ہے جس میں ازرق بن قیس بیان کرتے ہیں:

((رَأَیْتُ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عُمَرَ وَھُوَ یَعْجِنُ فِی الصَّلٰوۃِ ' یَعْتَمِدُ عَلٰی یَدَیْہِ اِذَا قَامَ کَمَا یَفْعَلُ الَّذِیْ یَعْجِنُ الْعَجِیْنَ)) ②

''میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ وہ نماز میں آٹا گوندھتے تھے۔ جب کھڑے ہونے لگتے تو اس طرح دونوں ہاتھوں کو بند کر کے ان کی مُٹھیوں کے بل اٹھتے تھے جس طرح آٹا گوندھنے والا مُٹھیاں بناتا ہے۔''

④اس موضوع کی ایک حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے لیکن اسے ابن الصلاح اورنووی نے غیر صحیح وغیر معروف' نا قابلِ حجت' ضعیف وباطل اور بے اصل جیسے تنقیدی الفاظ سے نوازا ہے جس کی تفصیل التلخیص الحبیر (۲۶۰/۱/۱) میں دیکھی جا سکتی ہے۔اور مسئلہ چونکہ پہلی حدیثوں سے ہی ثابت ہے اس لئے اس آخری کا وجود وعدمِ وجود برابر ہے۔امام غزالیؒ سے المجموع

---

① (بحوالہ الضعیفہ ۲، ۳۹۲و قال الالبانی فیه و فی الصلوٰۃ سندہ صالح و کذا قال محققوا زاد المعاد ۱/ ۲٤۰).

② (بحوالہ التلخیص ۱/۱/ ۲٦۰و لم یتکلم علیه)

شرح المھذب میں امام نوویؒ نے نقل کیا ہے کہ یہ لفظ "عاجن" نہیں ہے بلکہ عاجز ہے۔ اور اگر اس موضوع کی حدیث کو صحیح مان بھی لیا جائے تب بھی آٹا گوندھنے کی طرح مُٹھیاں بند کر کے نہیں بلکہ عمر رسیدہ بوڑھے کے اپنی ہتھیلیوں پر اعتماد کرتے ہوئے اٹھنے کی طرح اٹھنا مراد ہوگا۔ اور ابن الصلاح نے عاجن کا معنیٰ بھی "عمر رسیدہ" (بوڑھا) کیا ہے۔

لیکن معروف معنیٰ وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے، یعنی آٹا گوندھنے کی طرح مُٹھیاں بند کر کے ان کے بل اٹھنا۔ اور جید و صحیح احادیث سے یہ فعل ثابت بھی ہے۔ اور ان احادیث کو سامنے رکھا جائے تو ان بعض فتاویٰ کی حقیقت بھی سامنے آ جاتی ہے جن میں کہہ دیا گیا ہے کہ:

> "مٹھی بند کر کے ان کے سہارے اٹھنے کا (فعل) کسی صحیح حدیث سے ثابت ہے نہ تعامل نبی ﷺ ہے اور نہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے، ہاتھ کھلے ہوئے ہوں، ان پر ہی سہارا دے کر کھڑا ہونا چاہیے۔"

یہ کراچی سے شائع ہونے والے ایک دینی رسالہ پندرہ روزہ (صحیفہ اہلحدیث، جلد ۶۷، شمارہ ۱۳، بابت ۳ مارچ ۱۹۸۷ء) میں شائع شدہ فتویٰ کے الفاظ ہیں جن میں مفتی صاحب (مولانا عبدالقہار) نے مُٹھیاں بند کر کے ان کے بل اٹھنے کے بارے میں کسی صحیح حدیث کے وجود سے ہی انکار کیا ہے، جبکہ صالح اور صحیح سند والی احادیث و آثار ہم نے ذکر کر دیئے ہیں جن کی روشنی میں اس فتویٰ میں پایا جانے والا سقم کھل کر سامنے آ جاتا ہے۔ والعصمة لله وَحْدَهٗ ثم لنبيّه بعدَهٗ

ہاتھ نہ ٹیکنے والی احادیث اور ان کی استنادی حیثیت:

یہ تو زمین پر ہاتھوں کو ٹیک کر ان کے سہارے اٹھنے کی تفصیل ہے، جبکہ بعض

روایات سے پتا چلتا ہے کہ زمین پر ہاتھ لگنے ہی نہیں چاہئیں' لیکن ان روایات کی استنادی حیثیت اس قدر مخدوش ہے کہ اس بات کو پایۂ ثبوت تک پہنچانے سے قاصر ہیں۔ مثلاً:

ترمذی' بیہقی ، سنن سعید اورالکامل ابن عدی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((كَـانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَضُ فِي الصَّلٰوةِ عَلٰى صُدُوْرِ قَدَمَيْهِ)) ①

''نبی ﷺ نماز میں پاؤں کے پنجوں کے بل اٹھتے تھے۔''

یہ حدیث ضعیف ہونے کی وجہ سے نا قابل حجت ہے۔

① (ترمذی ۲ / ۱٦۸ ـ ۱٦۹ ، بیہقی ۲ / ۱۲٤ ، تحقیق زاد المعاد ۱ / ۲٤۰)

مانعینِ جلسۂ استراحت

کچھ اہل علم اس جلسہ کے استحباب کو نہیں مانتے۔امام ابن المنذر نے ابنِ مسعود' ابن عمر' ابنِ عباس' ابوزناد و مالک ثوری' ایک روایت میں احمد اور ایک میں ہی اسحاق بن راہو یہ رضی اللہ عنہم ورحمہم سے بھی عدمِ استحباب کا قول ہی بیان کیا ہے۔

مانعینِ جلسۂ استراحت کا استدلال جن روایات سے ہے وہ درج ذیل ہیں:

① ان میں سے پہلی ابو داؤد' ترمذی' نسائی' ابنِ ماجہ' ابنِ حبان' دارقطنی و بیہقی' مسند احمد اور مستدرک حاکم میں حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں یہ الفاظ بھی ہیں:

((وَاِذَا نَهَضَ نَهَضَ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ وَاعْتَمَدَ عَلٰى فَخِذَيْهِ))

''اور جب اُٹھے تو اپنی رانوں پر ٹیک لگا کر گھٹنوں کے بل سیدھے ہی اٹھ گئے۔''

مسند بزار میں ہے:

((فَكَانَ اِذَا رَفَعَ رَاْسَهُ مِنَ السَّجْدَتَيْنِ اسْتَوٰى قَائِمًا))

''جب آپ ﷺ دو سجدوں سے فارغ ہوتے تو سیدھے کھڑے ہی ہو جاتے تھے۔''

اس حدیث کو محدثین کرام نے ضعیف قرار دیا ہے' حتیٰ کہ اسے روایت کر کے خود امام ترمذی' نسائی' دارقطنی اور بیہقی نے اس کی سند پر کلام کیا ہے۔لہٰذا اس کے ضعیف ہونے کی وجہ سے یہ قابل استدلال نہیں ہے۔

② ان کا استدلال ایک دوسری حدیث سے بھی ہے جو کہ ترمذی' بیہقی وسنن سعید بن منصور میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:

((كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَضُ فِي الصَّلٰوةِ عَلٰى صُدُوْرِ قَدَمَيْهِ))

''پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں پاؤں کے پنجوں کے بل پر سیدھے کھڑے ہو جاتے تھے۔''

اس حدیث کی سند میں ایک راوی خالد بن الیاس (یا ایاس) ہے جسے خود امام ترمذی و بیہقی نے اور تمام محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ فتح الباری میں حافظ ابن حجر نے اسے سنن سعید بن منصور کی طرف منسوب کر کے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

علامہ مبارک پوری نے تحفة الاحوذی میں لکھا ہے کہ اس سند کا ایک دوسرا راوی صالح بن ابو صالح مولیٰ توامہ اپنی عمر کے آخری پہر میں اختلاط میں مبتلا ہو گئے۔

علامہ زیلعی نے نصب الرایہ میں ترمذی' ابنِ عدی' بخاری' نسائی' ابنِ معین' احمد' حافظ عبدالحق' اشبیلی اور ابنِ الجوزی سے اس حدیث کا ضعیف ہونا نقل کیا ہے۔ لہٰذا یہ حدیث بھی قابل استدلال نہ ہوئی۔

③ ایک تیسری دلیل مسند احمد سے بیان کی جاتی ہے جس میں حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ اپنے قبیلہ کے تمام لوگوں کو بلا کر ایک جگہ جمع کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ سکھاتے ہیں۔ اس میں دونوں سجدوں سے فارغ ہونے کے بعد مذکور ہے:

((ثُمَّ كَبَّرَ فَانْتَهَضَ قَائِمًا))

لیکن یہ حدیث اپنی سند کے ایک راوی شہر بن حوشب کثیــــر الارســـال و الاوھام (کما فی التقریب) ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ دوسرے یہ کہ اس میں صراحت کے ساتھ جلسۂ استراحت کی نفی نہیں ہے۔ اور اگر اس حدیث کو صحیح و صریح مان بھی لیا جائے تو اس سے زیادہ سے زیادہ اتنا پتا چلتا ہے کہ جلسہ واجب نہیں' یہ سُنّیت کی نفی کا پتا نہیں دیتی۔ اور تیسری بات یہ کہ اس حدیث کی نسبت صحیح بخاری اور دیگر کتب میں مروی حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ والی حدیث بدرجہا قوی و صحیح ہے جو اس موضوع کے آغاز میں قائلین جلسۂ استراحت کے دلائل میں ذکر کی جا چکی ہے۔ اس کا اختیار کرنا اولیٰ ہے۔

④ چوتھی حدیث وہ ہے جو کہ سنن ابوداوٗد میں حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اس میں ہے:

((ثُمَّ كَبَّرَ فَقَامَ وَلَمْ يَتَوَرَّكْ))

''پھر تکبیر کہی اور کھڑے ہو گئے اور تورّک نہیں کیا (بیٹھے نہیں)''

اس حدیث کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ابوداوٗد میں ہی ایک دوسری اور صحیح سند کے ساتھ اور سنن ترمذی میں بھی انہی حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں جلسۂ استراحت کا ذکر موجود ہے اور یہ حدیث صحیح بخاری' سنن اربعہ' دارمی' بیہقی' طحاوی اور ابن الجارود و مسند احمد کے حوالے سے قائلین جلسہ کے دلائل میں پہلے نمبر پر ذکر کی جا چکی ہے۔ لہٰذا اسے یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں۔

بہرحال ان دونوں حدیثوں کو صحیح اور ہم پلہ مان لینے کی صورت میں بھی اثبات والی حدیث کو اختیار کرنا اولیٰ ہے' کیونکہ ترجیح کے اصولوں میں سے ایک اصولِ ترجیح یہ ہے:

(المُثبت مُقدّم علی النّافی)

''ثابت کرنے والا نفی کرنے والے پر مقدم ہوتا ہے''۔

⑤ ان کا استدلال بعض ایسی احادیث سے بھی ہے جو صحیح تو ہیں لیکن صریح نہیں ہیں۔مثلاً صحیح بخاری اور بعض دیگر کتب کے حوالے سے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ والی حدیث ہم بیان کر چکے ہیں جس میں انہوں نے بائیس تکبیروں کے ساتھ چار رکعتیں پڑھانے والے ایک مکی شیخ کو ''سٹھیایا ہوا'' احمق کہہ دیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

ثَکِلَتْکَ اُمُّکَ، سُنَّةُ اَبِی الْقَاسِمِ (صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ)

''تمہیں تمہاری ماں گم پائے، یہ تو ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سنت ہے''۔

اس حدیث سے استدلال یوں کیا جاتا ہے کہ اس میں جلسۂ استراحت کا ذکر نہیں ہے۔اور اگر اس کا بھی ذکر ہوتا تو تکبیراتِ انتقال بائیس نہیں بلکہ پہلی اور دوسری رکعت کے دو جلسوں سے اٹھنے کی دو اور تکبیریں شامل کر کے چوبیس ہوتیں۔اور جب چوبیس نہیں تو معلوم ہوا کہ جلسۂ استراحت نہیں۔جبکہ یہ استدلال دُور کی کوڑی لانے والی بات ہے۔یا پھر یوں کہہ لیں کہ یہ محض اشارے سے دلالت ہے عبارت سے نہیں۔اور یہ معروف اصول ہے:

(العبارة مُقدّمة علی الاشارة)

اس اشارے والی نفی کے برعکس دوسری حدیثِ حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ میں صریح عبارت میں اس جلسے کا ذکر آیا ہے۔لہٰذا ان ہر دو اعتبارات سے اثبات ہی مقدم ہے۔اور پھر اس جلسہ کے لیے الگ کوئی تکبیر نہیں، کیونکہ یہ خفیف و لمحہ بھر کا جلسہ ہے۔اس میں نہ کوئی دُعا ہے نہ ذکر، یہ تو اٹھنے کے جملہ عمل و انداز کا ایک حصہ ہے۔اس

لیے اس میں کوئی ذکر بھی ثابت نہیں۔ غرض اس حدیث سے بھی جلسۂ استراحت کی نفی نہیں ہوتی۔ اور اگر نفی مان ہی لی جائے تو دوسری مثبت حدیث مقدم ہوگی' جیسا کہ اصول ذکر کیا گیا ہے۔

بعض آ ثار:

جلسۂ استراحت کی نفی یا عدم استحباب وعدم مشروعیت پر بعض آ ثارِ صحابہ وتابعین سے بھی استدلال کیا جاتا ہے۔ مثلاً:

① مصنف ابن ابی شیبہ میں نعمان بن ابی عیاشؒ کہتے ہیں:

اَدْرَكْتُ غَيْرَ وَاحِدٍ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ اِذَا رَفَعَ رَاْسَهُ مِنَ السَّجْدَةِ فِيْ اَوَّلِ رَكْعَةٍ وَالثَّالِثَةِ' قَامَ كَمَا هُوَ وَلَمْ يَجْلِسْ

''میں نے نبی ﷺ کے متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم کو پایا ہے کہ جب وہ پہلی اور تیسری رکعت کے سجدوں سے فارغ ہوتے تو بیٹھے بغیر سیدھے کھڑے ہی ہوجاتے تھے۔''

اس کی سند کا ایک راوی محمد بن عجلان مدلس ہے اور اس نے یہ حدیث "عن" سے بیان کی ہے جو اگر مدلس سے ہو تو وہ ضعیف ہوتی ہے۔ ہاں اگر کسی نے "تحدیث" کی صراحت کی ہو تو دوسری بات ہے جو کہ یہاں نہیں۔ اور پھر یہ راوی سیّ ءُ الحِفظ (خراب حافظے والا) بھی ہے۔ اور محمد بن عجلان سے بیان کرنے والا راوی ابوخالد الاحمر ہے اور وہ بھی سیّ ءُ الحِفظ ہے۔ لہٰذا یہ نا قابل اعتماد اثر ہے۔

② دوسرا اثر معجم طبرانی کبیر اور سنن کبریٰ بیہقی میں ہے جس میں عبدالرحمٰن بن یزیدؒ کہتے ہیں:

(رَمَقْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ فِی الصَّلٰوةِ فَرَاَیْتُهٗ یَنْهَضُ وَلَا یَجْلِسُ، قَالَ: یَنْهَضُ عَلٰی صُدُوْرِ قَدَمَیْهِ فِی الرَّکْعَةِ الْاُوْلٰی وَالثَّالِثَةِ)

''میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھتے یوں دیکھا کہ وہ کھڑے ہو جاتے تھے، بیٹھتے نہیں تھے۔ وہ پہلی اور تیسری رکعت میں پنجوں کے بل اٹھ جاتے تھے۔''

اس اثر کو روایت کر کے امام بیہقی نے لکھا ہے کہ سند کے اعتبار سے تو یہ اثر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ تک صحیح ہے۔ یہی بات علامہ زیلعی نے بھی کہی ہے، لیکن اثر صحابی کی نسبت ''سنتِ رسول'' کی اتباع اولیٰ ہے۔

یہ بات الجوهر النقی میں علامہ ابن الترکمانی نے بھی لکھی ہے، جبکہ علامہ مبارک پوری نے تحفة الاحوذی میں لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا اس جلسہ کو ترک کرنا صرف اس کے عدم وجوب پر دلالت کرتا ہے، اس کے مسنون ہونے کی نفی نہیں کرتا (کیونکہ کسی بھی غیر واجب چیز کو کبھی چھوڑ دینا جائز ہے)۔

③ سنن کبریٰ بیہقی و مصنف عبدالرزاق میں عطیہ العوفی کا بیان ہے:

(رَاَیْتُ ابْنَ عُمَرَ وَابْنَ عَبَّاسٍ وَابْنَ الزُّبَیْرَ وَاَبَا سَعِیْدٍ الْخُدْرِیَّ یَقُوْمُوْنَ عَلٰی صُدُوْرِ اَقْدَامِهِمْ فِی الصَّلٰوةِ)

''میں نے حضرات ابنِ عمر، ابن عباس، ابنِ زبیر اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم کو دیکھا ہے کہ وہ پنجوں کے بل سیدھے کھڑے ہو جاتے تھے۔''

جبکہ امام بیہقی نے خود ہی اس اثر کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کا راوی عطیہ مرود العوفی قابل حجت راوی نہیں ہے۔ علامہ زیلعی نے نصب الرایہ میں ایسے ہی

کہا ہے اور امام نووی نے (المجموع ۳/ ٤٤٥) میں ان کی روایت کو مردود کہا ہے۔ میزان الاعتدال میں علامہ ذہبی نے ان کے بارے میں کہا ہے کہ یہ معروف تابعی ہیں، لیکن ضعیف ہیں۔

ایسے ہی بعض دوسرے آثار بھی ہیں جنہیں مصنف ابن ابی شیبہ (۱/ ٤۳۱ و ما بعد) میں دیکھا جا سکتا ہے، جن پر الگ الگ تبصرہ کیا جائے تو بات طویل ہو جائے گی۔ مختصر یہ کہ اگر آثار کا انبار بھی لگا دیا جائے "سنتِ رسول" کی اتباع ہی اولیٰ ہے۔ ہاں یہ جلسۂ استراحت فرض یا واجب نہیں کہ جس کے ترک سے نماز کی صحت پر حرف آتا ہو۔ یہ مشروع و مستحب ہے، کر لیں تو ثواب نہ کریں تو گناہ نہیں، البتہ اس کی مشروعیت کا سرے سے انکار ہی کر دینا ٹھیک نہیں ہے۔

اسی موضوع کی ایک حدیث سنن کبریٰ بیہقی و مصنفِ ابنِ ابی شیبہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں ہے:

((مِنَ السُّنَّةِ فِی الصَّلٰوةِ الْمَكْتُوْبَةِ اِذَا نَهَضَ الرَّجُلُ فِی الرَّكْعَتَیْنِ الْاُوْلَیَیْنِ اَنْ لَا یَعْتَمِدَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا اَنْ یَكُوْنَ شَیْخًا كَبِیْرًا لَا یَسْتَطِیْعُ)) ①

"فرض نمازوں میں سنت یہ ہے کہ پہلی دو رکعتوں میں جب کوئی اٹھے تو وہ زمین پر ٹیک لگا کر نہ اٹھے اِلّا یہ کہ کوئی بوڑھا ہونے کی وجہ سے سیدھا نہ اٹھ سکتا ہو۔"

لیکن یہ حدیث بھی ضعیف ہے۔ امام احمد بن حنبل، ابنِ معین، بیہقی اور دیگر محدثین کرام رحمہم اللہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ ②

---

① (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ٤۳۲ بتحقیق سعید اللحام، الضعیفہ ۲/ ۳۹۳)

② (للتفصیل المجموع ۳/ ٤٤٥، الضعیفہ ۲/ ۳۹۳)

سنن ابوداؤد میں ایک روایت میں عبدالجبار بن وائل بن حُجر اپنے والد حضرت وائل بن حُجر رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے بیان کرتے ہیں:

((...... وَاِذَا نَهَضَ نَهَضَ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ وَاعْتَمَدَ عَلٰى فَخِذَيْهِ [فَخِذِهٖ])) ①

''جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھتے تو گھٹنوں کے بل اٹھتے اور اپنی رانوں پر ٹیک لگا لیتے تھے۔''

جبکہ یہ روایت منقطع ہے، کیونکہ عبدالجبار کا اپنے والد سے سماع ثابت ہی نہیں ہے۔

سنن ابی داؤد، مسند احمد، مصنف عبدالرزاق، سنن کبریٰ بیہقی و مستدرک حاکم میں حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی حدیث ہے جس میں ہے:

((نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَنْ يَعْتَمِدَ الرَّجُلُ عَلٰى يَدِهٖ اِذَا نَهَضَ فِي الصَّلٰوةِ)) ②

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ کوئی شخص نماز میں اٹھتے وقت اپنے ہاتھ پر ٹیک لگا کر اٹھے۔''

جبکہ امام نووی نے اسے المجموع (٤٤٥/٣) میں ضعیف اور شیخ البانی نے سلسلة الاحاديث الضعيفة والموضوعة (٣٨٩/٢) میں اسے منکر قرار دیا ہے۔

---

① (ابو داود مع العون ٤٣٣/٢، و ٦٩/٣).

② (ابو داؤد مع العون ٣/ ٢٨٣، الضعيفه ٣٨٩/٢-٣٩٠، مسند احمد: ٦٣٤٧، مستدرك حاكم ١/ ٢٧٢ قديم، بيهقى ٢/ ١٣٥، مصنف عبد الرزاق: ٣٠٥٤)

سنن کبریٰ بیہقی و مصنف عبدالرزاق میں عطیہ عوفی کی روایت ہے جس میں انہوں نے حضرت ابن عمر ابن عباس ابن الزبیر اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم کے بارے میں کہا ہے کہ وہ اپنے قدموں کے بل پر اُٹھا کرتے تھے۔ لیکن یہ روایت بھی ضعیف و ناقابل حجت ہے۔

جبکہ طبرانی اوسط میں خاص حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں تو صحیح سند سے ثابت ہے کہ وہ اُٹھتے وقت ہاتھوں کی مٹھیوں پر ٹیک لگا کر اٹھا کرتے تھے۔

خلاصۂ کلام:

سابق میں ذکر کی گئی مدلل بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلی رکعت کے دونوں سجدوں سے فارغ ہوکر لمحہ بھر کے لئے بیٹھ جائیں۔ اور یہ جلسۂ استراحت مستحب ہے۔ اور پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو زمین پر لگائیں۔ اور بہتر ہوگا کہ آٹا گوندھنے کے انداز کی طرح ہاتھوں کی مُٹھیاں بند ہوں اور ان کے بل پر دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہو جائیں۔

جلسۂ استراحت وقعدہ میں ہاتھ کہاں؟:

اب رہا معاملہ دونوں ہاتھوں اور کلائیوں کو رکھنے کا تو اس سلسلہ میں صحیح مسلم و ابوعوانہ، دارمی و بیہقی، شرح السنہ بغوی اور مسند احمد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث ہے جس میں ہے:

((اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا قَعَدَ فِي التَّشَهُّدِ وَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرىٰ عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُسْرىٰ وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُمْنٰى)) ①

---

① (د قدّمر)

''رسول اللہ ﷺ جب تشہد کے لئے بیٹھتے تو اپنا بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر اور دایاں ہاتھ دائیں گھٹنے پر رکھتے تھے۔''

جبکہ صحیح مسلم و بیہقی اور مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں دونوں ہاتھوں کا دونوں رانوں پر رکھنا بھی وارد ہوا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَعَدَ يَدْعُوْ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُمْنٰى وَيَدَهُ الْيُسْرىٰ عَلٰى فَخِذِهِ الْيُسْرىٰ وَاَشَارَ بِاِصْبَعِهِ السَّبَابَةِ وَوَضَعَ اِبْهَامَهُ عَلٰى اِصْبَعِهِ الْوُسْطٰى...... الخ)) ①

''نبی ﷺ جب دُعا کے لئے بیٹھتے تو دایاں ہاتھ دائیں ران پر اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھتے اور انگشتِ شہادت سے اشارہ کرتے اور انگوٹھے کو درمیان والی انگلی پر رکھتے تھے۔''

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ نمازی چاہے تو بوقتِ قعدہ اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھ لے اور چاہے تو گھٹنوں سے تھوڑا پیچھے رانوں پر رکھ لے دونوں میں اسے اختیار ہے اور دونوں طرح ہی صحیح ہے۔

تشہّد یا قعدہ میں دونوں ہاتھوں کی کیفیت:

تشہد یا قعدۂ اولیٰ کے وقت اور اگر نماز تین یا چار رکعتوں والی نہیں بلکہ صرف دو ہی رکعتوں والی ہو تو اس کے صرف ایک ہی قعدہ کے وقت بیٹھنے کا کون سا انداز مشروع اور کون سا ممنوع ہے اور یہ کہ ہاتھ کہاں رکھے جائیں؟

یہاں یہ بات بھی واضح کرتے جائیں کہ ہاتھوں کو گھٹنوں یا گھٹنوں سے ملتے

① (مسلم ۷۹/۵/۳۔۸۰، بیہقی ۱۳۱/۲، مصنف ابن ابی شیبہ)

ہوئے رانوں کے حصوں پر رکھنے کے انداز کے بارے میں کتب حدیث میں صراحت موجود ہے۔

بائیں ہاتھ کی کیفیت:

اس سلسلہ میں بائیں ہاتھ کے بارے میں تو سبھی نمازیوں کا انداز صحیح ہوتا ہے کہ ہاتھ کی انگلیاں کھلی ہوتی ہیں جو کہ صحیح مسلم، ترمذی، نسائی، مسند احمد اور دیگر کتبِ حدیث میں حضرت ابن عمر ﷺ سے نبی ﷺ کے اس طرح بائیں ہاتھ کو رکھنے کا انداز مروی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

((......وَيَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُسْرٰى بَاسِطُهَا عَلَيْهَا))①

"بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر، انگلیاں کھول کر رکھا ہوتا تھا۔"

دائیں ہاتھ کی کیفیت:

لیکن دائیں ہاتھ کے بارے میں اکثر لوگوں کا رویہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اسے بھی بائیں ہاتھ کی طرح ہی کھلا رکھ دیتے ہیں۔ حالانکہ حدیثِ رسول ﷺ سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔

① بلکہ چاہیئے یہ کہ تشہد کے لئے بیٹھتے ہی دائیں ہاتھ کو ڈھیلی سی مُٹھی کی شکل میں بند کر کے رکھا جائے اور صرف انگشتِ شہادت کو کھلا رکھا جائے۔ اس کیفیت کی تعبیر حدیثِ نبوی ﷺ میں مختلف الفاظ سے وارد ہوئی ہے۔ مثلاً صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں:

((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا قَعَدَ فِى التَّشَهُّدِ وَضَعَ يَدَهُ

---

① (مسلم ایضاً، مشکوٰۃ ١/ ٢٨٥ مع المرعاۃ ٢/ ٤٦٨)

الْيُسْرٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُسْرٰى وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُمْنٰى وَعَقَدَ ثَلَاثَةً وَّخَمْسِيْنَ وَاَشَارَ بِالسَّبَابَةِ)) ①

''نبی ﷺ جب تشہد کے لئے بیٹھتے تو بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر رکھتے اور دایاں ہاتھ دائیں گھٹنے پر اس طرح رکھتے کہ جیسے ترپن (۵۳) بنا ہوا ہو اور انگلیوں سے اشارہ کرتے تھے۔''

ایک روایت میں ہے:

((وَرَفَعَ اِصْبَعَهُ الْيُمْنٰى الَّتِىْ تَلِى الْاِبْهَامَ يَدْعُوْ بِهَا)) ②

''آپ ﷺ نے انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی اٹھائی اور آپ ﷺ دعا کر رہے تھے۔''

ہاتھ سے ترپن (۵۳) بنانے سے مراد یہ ہے کہ عربوں میں ہاتھوں کی انگلیوں سے حساب کا جو طریقہ مروّج تھا اس کی رو سے ترِپن (۵۳) بنایا۔ اور اس طریقۂ حساب میں ترِپن بنانے کا انداز و طریقہ یہ ہے کہ چھنگلی، اس کے ساتھ والی اور درمیان والی تینوں ہی انگلیوں کو بند کر لیا جائے اور شہادت کی انگلی کو کھلا رہنے دیا جائے اور انگوٹھے کو انگشتِ شہادت کی جڑ کے ساتھ جوڑ لیا جائے۔ جبکہ التلخيص الحبير میں حافظ ابن حجر نے انگوٹھے کو انگشتِ شہادت کی جڑ سے جوڑنے کی بجائے لکھا ہے:

(اَنْ يُجْعَلَ الْاِبْهَامُ مُعْتَرِضَةً تَحْتَ الْمُسَبِّحَةِ) ③

---

① (مسلم ۸۰/۵/۳ ،مشکوٰۃ ۴۶۶/۲۔۴۶۸)

② (حوالہ جات سابقہو بیهقی ۱۳۰/۲، ابن خذیمہ ۳۵۵/۱، ابو عوانہ ۲۲۵/۲، مسند احمد ۱۴۷/۲)

③ (التلخیص ، نیز دیکھیے المرعاة ۴۶۷/۲ و سبل السلام ۱۸۹/۱/۱ و تحقیق مشکوٰۃ ۲۸۵/۱)

''انگوٹھے کو انگشتِ شہادت کے نیچے سے گزار دیا جائے۔''

ہاتھ کو اس طرح رکھنے سے جو شکل بنتی ہے وہ عرب اہل حساب کے نزدیک ترپن کہلاتی ہے اور زاد المعاد میں علامہ ابن قیمؒ کے بقول ترپن کی یہ شکل عرب حساب دانوں کے یہاں معروف ہے۔قعدہ میں دائیں ہاتھ کو اس طرح رکھنا چاہیئے۔شروع قعدہ سے لے کر آخر قعدۂ اولیٰ و وسطیٰ اور قعدہ اخیرہ میں سلام پھیرنے تک۔

② ابو داوٗد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، ابن خزیمہ، مسند احمد، سنن کبریٰ بیہقی اور ابن حبان میں صحیح سند کے ساتھ حضرت وائل بن حُجر رضی اللہ عنہ سے دائیں ہاتھ کو رکھنے کی ایک اور کیفیت بھی وارد ہوئی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:

((...... وَقَبَضَ ثِنْتَيْنِ وَحَلَقَ حَلْقَةً ، ثُمَّ رَفَعَ إِصْبَعَهُ فَرَأَيْتُهُ يُحَرِّكُهَا يَدْعُوْ بِهَا)) ①

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو انگلیوں کو بند کر لیا اور درمیان والی انگلی و انگوٹھے کا حلقہ بنا لیا اور انگشتِ شہادت کو اٹھایا اور میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے مسلسل ہلا رہے تھے اور دعا مانگ رہے تھے۔''

③ بوقتِ قعدہ دائیں ہاتھ کو رکھنے کا ایک تیسرا طریقہ صحیح مسلم، سنن نسائی، مسند احمد اور دیگر کتب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں یوں آیا ہے:

((كَانَ إِذَاجَلَسَ فِي الصَّلٰوةِ وَضَعَ كَفَّهُ الْيُمْنٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُمْنٰى وَقَبَضَ اَصَابِعَهُ كُلَّهَا وَاَشَارَ بِاِصْبِعِهِ الَّتِيْ تَلِي

---

① (بیهقی ۱۳۲/۲، صحیح ابن حبان ، الموارد: ٤٨٥ و الاحسان ١٧٠/٥ ، مشكوٰة ٢٦١٧/١ وصححه الالبانی ، زاد المعاد ٢٥٥/١ ، المنتقى مع النيل ١٣٥/٣/٢ ، مشكوٰة مع المرعاة ٤٧٨/٢ـ ٤٧٩ ، ابن خذيمه ٣٥٤/١)

اَلْاِبْهَامَ [فَدَعٰی بِهَا])) ①

''آپ ﷺ جب نماز میں بیٹھتے تو دائیں ہتھیلی دائیں ران پر رکھتے اور ساری انگلیاں بند کر لیتے اور انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی سے اشارہ کرتے (اور دعا مانگ رہے ہوتے)۔''

اس حدیث کی رو سے سب انگلیوں کو بند کر کے رکھنا اور صرف انگشتِ شہادت کو کھلا رکھنا اور اس سے اشارہ کرتے رہنا ثابت ہوتا ہے۔

④ بوقتِ قعدہ دائیں ہاتھ کو رکھنے کی ایک چوتھی کیفیت بھی ہے جو کہ صحیح مسلم اور سنن دارقطنی میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:

((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَعَدَ يَدْعُوْ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُمْنٰى وَيَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُسْرٰى وَاَشَارَ بِاِصْبَعِهِ السَّبَّابَةِ وَوَضَعَ اِبْهَامَهُ عَلٰى اِصْبَعِهِ الْوُسْطٰى......)) ②

''نبی ﷺ جب قعدہ میں دعا کرتے تو اپنا دایاں ہاتھ اپنی دائیں ران پر رکھتے اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر' اور انگشتِ شہادت سے اشارہ فرماتے اور ہاتھ کے انگوٹھے کو درمیان والی انگلی پر رکھتے تھے۔''

اس حدیث میں انگلیوں میں سے کسی کو بند کرنے کا ذکر نہیں سوائے درمیانی

---

① (مسلم: ۸۰/۵/۳، المنتقی: ۱۳۶/۳/۲-۱۳۷، مشکوٰۃ ۲۸۵/۱ و مع المرعاۃ ۴۶۸/۲)

② (مسلم ۷۹/۵/۳-۸۰، مشکوٰۃ ۴۶۸/۲-۴۶۹، بیہقی ۱۳۱/۲، ابن ابی شیبہ ۲۳۵/۲)

انگلی کے' کیونکہ اسے بند کیے بغیر اس پر اپنا انگوٹھا رکھا ہی نہیں جا سکتا۔

⑤ جبکہ صحیح مسلم میں ہی حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی ایک دوسری روایت میں کچھ دوسرے الفاظ ہیں:

((وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُمْنٰى وَاَشَارَ بِاِصْبَعِهِ)) ①

''آپ ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ دائیں ران پر رکھا اور انگلی سے اشارہ کیا۔''

اس سے ایک پانچویں کیفیت کا پتا چلتا ہے اور وہ اس طرح کہ تمام انگلیوں کو بلا استثناء کھلا رکھیں اور صرف انگشتِ شہادت سے اشارہ کریں۔

ان پانچوں کیفیتوں میں سے پہلی چار کو نقل کر کے علامہ عبید اللہ رحمانی نے المرعاۃ میں لکھا ہے کہ ان کے مابین کوئی اختلاف ومنافاۃ نہیں' کیونکہ ان سب کیفیتوں کا مختلف اوقات میں ہونا جائز وممکن ہے' لہٰذا یہ سب انداز جائز ہیں۔ اور علامہ رافعی سے نقل کیا ہے کہ ان سب کے بارے میں احادیث وارد ہوئی ہیں اور نبی ﷺ کبھی ایک طرح ہاتھ کو رکھتے تھے تو کبھی دوسری طرح۔ اور امیر یمانی نے سبل السلام میں کہا ہے کہ نمازی ان تمام صورتوں میں مخیّر ہے کہ جسے چاہے اختیار کرلے۔

جبکہ علماءِ احناف و حنابلہ کے نزدیک درمیانی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنا کر چھنگلی و ساتھ والی انگلی کو بند رکھنے اور انگشتِ شہادت سے اشارہ کرنے والی کیفیت مختار و حسن ہے۔

افضل انداز:

امام بیہقی نے سنن کبریٰ میں حضرت وائل رضی اللہ عنہ والی حدیث کو نقل کرنے کے بعد

---

① (مسلم ایضاً و النیل ۱۳٦/۳/۲)

لکھا ہے کہ ہم اس حدیث میں مذکور کیفیت کو جائز قرار دیتے ہیں اور حضرت ابن رضی اللہ عنہما سے مروی پہلی کیفیت کو اختیار کرتے ہیں اور اس کے بعد حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی انداز کو مانتے ہیں' کیونکہ ان دونوں پر مشتمل احادیث اور ان کی اسناد قوی ہیں۔

علامہ ابن القیمؒ نے پانچ مختلف اندازوں کا پتہ دینے والی احادیث کو ایک ہی قرار دیا ہے اور جمع و تطبیق بھی زادالمعاد میں ذکر کی ہے۔ ان کی بیان کردہ تفصیل کی رو سے بھی پہلا انداز ہی افضل ثابت ہوتا ہے۔

علامہ عبیداللہ رحمانی مبارک پوری نے المرعاۃ میں نقل کیا ہے کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث اور ترپن بنانے والے انداز پر مشتمل حدیث دراصل دونوں ایک ہی ہیں۔ اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما والی حدیث کے الفاظ (وَوَضَعَ اِبهَامَهٗ عَلَى اِصْبَعِهِ الوُسطٰى) سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا انگوٹھا درمیانی انگلی کی جڑ کے قریب رکھا۔ اس طرح چار پانچ کی بجائے کل تین انداز ہی بنتے ہیں جو کہ شروع میں ذکر کیے گئے ہیں۔ اور حضرت ابن عمر وابن زبیر رضی اللہ عنہم سے مروی بعض احادیث میں جو انگلیوں کو بند کرنے کا ذکر تک وارد نہیں ہوا تو ان سے کسی الگ کیفیت کا پتہ نہیں چلتا بلکہ وہ احادیث مطلق ہیں۔ انہیں ان احادیث پر محمول کیا جائے گا جن میں انگلیوں کو بند رکھنے کی قید وارد ہوئی ہے۔

ایک تصحیح:

ان تمام تفصیلات سے معلوم ہوا کہ قعدہ کے شروع میں بیٹھتے ہی دائیں ہاتھ کو اس انداز سے رکھنا چاہیئے نہ کہ صرف کلمۂ شہادت کے وقت' اور پھر ہاتھ کو کھولنا بھی

نہیں چاہیئے ۔جبکہ عموماً دیکھا گیا ہے کہ لوگ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں کھولے بیٹھے رہتے ہیں۔ جونہی کلمۂ شہادت پر پہنچتے ہیں تو دائیں ہاتھ کی انگلیوں کو بند کر کے انگشتِ شہادت سے اشارہ کرتے ہیں اور پھر انگلیوں کو کھول کر ہاتھ کو معمول کے مطابق رکھ لیتے ہیں، جبکہ یہ صحیح نہیں ہے۔شروع قعدہ سے لے کر آخر قعدہ تک ہاتھ کو اسی انداز سے رکھے رہنا چاہیئے جیسا کہ ان احادیث سے پتہ چل رہا ہے۔اور علماءِ احناف میں سے مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ''بہشتی زیور'' میں اسے ہی اختیار کیا ہے۔ چنانچہ موصوف نے لکھا ہے:

''عقد وحلقہ کی ہیئت کو آخر نماز تک باقی رکھے۔'' ①

بعض لوگ تو کلمۂ شہادت کے وقت بھی دائیں ہاتھ کی انگلیوں کو بند نہیں کرتے بلکہ اسی طرح شہادت کی انگلی سے نیم جان سا اشارہ کر دیتے ہیں۔

ہاتھ سے زمین پر ٹیک لگا کر بیٹھنے کی ممانعت:

تشہد کے لئے قعدہ کرنے یا بیٹھنے کا مسنون انداز تو آپ کے سامنے آ گیا ہے۔یہیں اس بات کا تذکرہ بھی کرتے جائیں کہ قعدہ کے دوران کسی ایک ہاتھ سے زمین پر ٹیک لگا کر بیٹھنا سخت منع ہے۔ بلکہ نبی ﷺ نے اس طرح بیٹھنے والے کو دیکھ کر اسے یہودیوں کے بیٹھنے کا انداز گردانا تھا۔ جیسا کہ سنن کبریٰ بیہقی اور مستدرک حاکم میں ہے کہ نبی ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا جو نماز میں بائیں ہاتھ پر ٹیک لگا کر بیٹھا ہوا تھا تو آپ ﷺ نے اسے ایسا کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

((اِنَّهَا صَلٰوةُ الْيَهُوْدِ)) ② ''یہ تو یہود کی نماز ہے۔''

---

① (بهشتی زیور ص : ١٦ حصه دوم)

② (بیهقی ، مستدرك حاكم ، صفه الصلوٰة ص:٩٣) .

جبکہ ابوداؤد و مسند احمد اور شرح السنہ بغوی میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَجْلِسْ هٰكَذَا ، اِنَّمَا هٰذِهٖ جِلْسَةُ الَّذِيْنَ يُعَذَّبُوْنَ)) ①

''اس طرح نہ بیٹھو یہ تو سزا دیئے جانے والوں کے بیٹھنے کا انداز ہے''۔

مصنف عبدالرزاق اور الاحکام حافظ عبدالحق اشبیلی میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((هِيَ قَعْدَةُ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ)) ②

''یہ تو ان (یہودیوں) کے بیٹھنے کا انداز ہے جن پر اللہ کا غضب نازل ہوا۔''

انگلی سے اشارہ:

بعض لوگ انگلی سے اشارہ نہیں کرتے۔ جبکہ سابق میں ہماری ذکر کی گئی احادیث پر غور کرنے سے ان تمام حضرات کی غلط فہمیاں دور ہو جانی چاہئیں۔

والله الموفق

انگلی اٹھانا:

تشہد کے وقت دائیں ہاتھ کی کیفیات کا پتہ دینے والی احادیث میں ہی یہ بات بھی وارد ہوئی ہے کہ نبی ﷺ انکشتِ شہادت کو اٹھاتے تھے۔ اور بعض میں ہے کہ انگلی کو ہلاتے تھے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس مسئلہ کو بھی دیگر مسائل کی طرح قدرے تفصیل کے ساتھ آپ کے سامنے رکھ دیا جائے کہ انگلی کو کیسے، کب اور کب تک اٹھانا یا اٹھائے رکھنا چاہیئے یا اٹھاتے گراتے رہنا چاہیئے۔

---

① (ابو داؤد مع العون ٢٨٦/٣، صفه الصلوٰة ص: ٩٣ و قال سنده جيد، شرح السنه ١٧٠/٣ موقوفاً معلقاًو حسنه الارناؤوط)

② (مصنف عبد الرزاق ١٩٨/٢ و صفه الصلوٰة ايضاً)

انگلی اٹھانے کی مشروعیت:

اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ تشہد میں نبی ﷺ سے دائیں ہاتھ کی انگلی کو اٹھانا متعدد صحیح احادیث سے ثابت ہے ۔یہاں ہم ان احادیث کے صرف متعلقہ الفاظ ذکر کر رہے ہیں تا کہ اس مسئلہ کی وضاحت ہو جائے ۔چنانچہ:

پہلی حدیث:

پہلی حدیث صحیح مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جس کے وسط و آخر میں ہے:

((كَانَ ... إِذَا قَعَدَ فِي التَّشَهُّدِ ... عَقَدَ ثَلاثَةً وَّ خَمْسِيْنَ وَأَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ)) ①

''آپ ﷺ جب تشہد کیلئے بیٹھتے ....تو انگلیوں سے ترپن (۵۳) کا عدد بناتے اور انگشتِ شہادت سے اشارہ کرتے تھے''۔

دوسری حدیث :

صحیح مسلم ، ترمذی ، نسائی ، ابن ماجه ، ابن خذیمه ، ابی عوانه ، بیهقی ،مصنف عبد الرزاق اورمسند احمد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی مروی ہے:

((كَانَ إِذَا جَلَس ... رَفَعَ إِصْبَعَهُ الْيُمْنَىٰ الَّتِي تَلِي الْإِبْهَامَ))②

---

① (مسلم ۳/۵/۸۰ ،مشکوٰۃ ۲/٤٦٦ـ٤٦٨)

② (حوالہ جات سابقہ و بیهقی ۲/ ۱۳۰، ابن خذیمة ۱/ ۳۵۵، ابو عوانه ۲/ ۲۲۵، مسند احمد ۲/ ۱٤۷)

''آپ ﷺ جب قعدہ کرتے ...تو دائیں ہاتھ کی انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی اٹھاتے اور اسوقت دعاء مانگ رہے ہوتے۔''

تیسری حدیث:

تیسری حدیث ابوداود وترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان، دارمی، ابن خذیمہ، مسند احمد اور سنن کبری بیہقی میں حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:

((ثُمَّ جَلَسَ ...وَحَلَّقَ حلْقَةً ...ثُمَّ رَفَعَ اِصْبَعَهُ فَرَأَيْتُهُ يُحَرِّكُهَا يَدْعُوْ بِهَا)). ①

''تو آپ ﷺ بیٹھ گئے ...اور ہاتھ کی انگلیوں کا حلقہ بنایا...پھر آپ ﷺ نے انگلی اٹھائی، میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ اسے ہلا رہے تھے اور دعاء مانگ رہے تھے۔''

چوتھی حدیث:

صحیح مسلم ونسائی، مسند احمد اور دیگر کتب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ایک حدیث کے الفاظ یوں ہیں:

((كَانَ اِذَا جَلَسَ وَضَعَ كَفَّهُ الْيُمْنىٰ عَلَى فَخِذِهِ الْيُمْنىٰ وَقَبَضَ أَصَابِعَهُ كُلَّهَا وَأَشَارَ بِاِصْبَعِهِ الَّتِىْ تَلِي الْاِبْهَامَ

---

① (بیهقی ۲/ ۱۳۲، صحیح ابن حبان، الموارد: ٤٨٥ و الاحسان ٥/ ١٧٠، مشكوٰة ١/ ٢٦١٧ وصححه الالبانی، زاد المعاد ١/ ٢٥٥، المنتقى مع النيل ٢/ ٣/ ١٣٥، مشكوٰة مع المرعاة ٢/ ٤٧٨ ـ ٤٧٩، ابن خذيمه ١/ ٣٥٤)

[فَدَعَىٰ بِهَا])) ①

’’ آپ ﷺ جب بیٹھتے تو دائیں ہتھیلی کو دائیں ران پر رکھتے اور اس کی انگلیاں بند کر لیتے اور انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی سے اشارہ کرتے [اور دعاء مانگتے]۔‘‘

پانچویں حدیث:

صحیح مسلم، بیہقی و سنن دارقطنی اور مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے :

((... اِذَا قَعَدَ یَدْعُوْ ... أَشَارَ بِاِصْبَعِهِ السَّبَّابَةِ وَوَضَعَ اِبْهَامَهُ عَلَىٰ اِصْبَعِهِ الْوُسْطَىٰ)) ②

’’ آپ ﷺ جب دعاء کیلئے بیٹھتے تو انگشتِ شہادت سے اشارہ کرتے اور انگوٹھے کو درمیان والی انگلی پر رکھتے تھے۔‘‘

چھٹی حدیث:

صحیح مسلم میں ہی حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے ایک دوسری روایت بھی مروی ہے جس میں ہے:

((... کَانَ ... اِذَا قَعَدَ یَدْعُو ... أَشَارَ بِاِصْبَعِهِ السَّبَّابَةِ وَوَضَعَ اِبْهَامَهُ عَلَىٰ اِصْبَعِهِ)) ③

---

① (مسلم : ۸۰/۵/۳، المنتقیٰ :۱۳۷_۱۳۶/۳/۲، مشکوٰۃ ۲۸۵/۱ و مع المرعاۃ ۴۶۸/۲)

② (مسلم ۸۰_۷۹/۵/۳،مشکوٰۃ ۴۶۹_۴۶۸/۲ ، بیہقی ۱۳۱/۲ ،ابن ابی شیبہ ۲۳۵/۲)

③ (مسلم ایضاً و النیل ۱۳۶/۳/۲)

''آپ ﷺ جب بیٹھتے تو دائیں ہاتھ کو دائیں ران پر رکھتے اور انگلی سے اشارہ کرتے تھے۔''

ان تمام احادیث سے جو بات کھل کر سامنے آجاتی ہے وہ یہ ہے کہ قعدہ میں نبی ﷺ انگلی سے اشارہ کرتے، اسے اٹھاتے اور اسے ہلاتے تھے کیونکہ رَفَعَ، أَشَارَ اور حَرَّكَ تینوں الفاظ واضح ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کم از کم اس اشارے کی مشروعیت پر تمام اہلِ علم کا اتفاق ہے (سوائے حنفی بریلوی گروپ کے) البتہ اس کے انداز اور موقع ومحل کی تعیین میں کچھ اختلاف ہے جسکا تذکرہ آگے چل کر آئے گا۔

متفق علیہا سنت:

سابقہ چھ احادیث کی بناء پر آئمہ اربعہ سمیت تمام فقہاء ومحدثین اور اہلِ علم اس کے قائل ہیں چنانچہ:

① امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد امام محمد رحمہ اللہ نے اپنے موطأ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی اشارہ کرنے والی حدیث نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ہم نبی ﷺ کے فعل کو لیتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ ①

موطأ امام محمدؒ کے محشی علامہ عبدالحیٔ لکھنویؒ نے التعلیق الممجد میں لکھا ہے کہ ہمارے تینوں اصحاب یعنی امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا یہی قول ہے اور وہ تینوں اشارے کے جواز پر متفق ہیں کیونکہ یہ نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے متعدد احادیث میں ثابت ہے۔ ②

① (موطأ امام محمد ص: ۱۰۸-۱۰۹ ،مع التعلیق الممجد)

② (التعلیق الممجد علی موطأ امام محمد ص: ۱۰۹)

کبار علماء احناف میں سے ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ امام مالک، شافعی اور احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے اور صحابہ وعلماء سلف میں انگلی سے اشارہ کرنے والی سنت کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ اس طرح اہل سنت کے چاروں فقہی مکاتبِ فکر اور علماء حدیث کا تو اس سنت پر اتفاق ہے اب رہے ماوراء النہر، خراسان، عراق اور بلاد ہند کے وہ لوگ جو تحقیق سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ کے بقول ایسے لوگوں کا اس سنت کو ترک کر دینا کوئی حجت نہیں ہے حتیٰ کہ خلاصۂ کیدانی میں اس کے مؤلف نے اس سنت کو ''محرماتِ نماز'' میں شمار کر دیا تو ملا علی قاری نے اس کی اِس جسارت کو خطأ عظیم، جرمِ جسیم، قواعدِ اصول اور مراتبِ فروع سے جہالت قرار دینے کے بعد لکھا ہے کہ اگر اِس کلام کی تاویل نہ کریں تو اسکا کفر واضح اور ارتداد صریح ہے اور لکھتے ہیں کہ کیا کسی مومن کیلئے یہ جائز ہے کہ وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ ایک سنت کو حرام کہے اور ایسے کام سے منع کرے جس پر عامۃ العلماء پشت در پشت چلے آ رہے ہوں۔ ①

اب ایسی سنت جس پر آئمہ اربعہ، متقدمین فقہاء مذاہبِ اربعہ اور تمام محدثین و علماء حدیث کا اتفاق ہے ایسی سنت سے نفرت کرنا، اسے اپنانے والوں سے نفرت کرنا اور لوگوں کو ان سے متنفر کرنے کی سعی کرنا کس طرح عقلمندی ہو سکتی ہے۔

لوہے سے بھی سخت اور شیطان کو رُلا دینے والی چیز:

اس سنت سے تو صرف شیطانِ لعین کو تکلیف ہوتی ہے مسلمان کو نہیں کیونکہ

① (بحواله تحفة الاحوذی ۲/ ۱۸٤ و تحقیق صلوٰة الرسول ص: ۳۰۸۔ ۳۰۹ و عون المعبود ۳/ ۲۸۱، حقیقة الفقه مولانا محمد یوسف جے پوری ص: ۲٤٦، نیز مقدمه هدایة و فتاویٰ عالمگیری)

مسند احمد و بزار ، بیهقی ، سنن عبد الغنی مقدسی ،مسند الرویانی و آمالی ابو جعفر بختری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((لَهِيَ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنَ الْحَدِيْدِ))[يَعْنِي السَّبَّابَةُ] ①

''یہ [انگشتِ شہادت]تو شیطان کیلئے لوہے سے بھی زیادہ اذیت ناک ہے۔''

تو گویا یہ رفع سبابہ یا انگشتِ شہادت سے اشارہ کرنا شیطان کے خطرناک حملوں سے بچنے کیلئے نبی ﷺ نے ایک نسخۂ کیمیا کے طور پر بتایا ہے۔اور مسند حمیدی و ابی یعلیٰ میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی مروی ہے:

((... وَهِيَ نَذَبَةُ الشَّيْطَانِ لَا يَسْهُوْ أَحَدٌ وَهُوَ يَقُوْلُ هَكَذَا)) ②

''یہ شیطان کو رلانے کا ہتھیار ہے اور جب تک کوئی ایسا کرتا ہے اُس سے سہو کا صدور نہیں ہوتا۔''

اور امام حمیدی نے انگلی کھڑی کر کے سمجھایا کہ یوں کرنا۔

سنّتِ انبیاء علیہم السلام:

مسند حمیدی میں امام صاحب مزید فرماتے ہیں کہ مسلم ابو مریم نے کہا ہے :

---

① (مسند أحمد ۱۱۹/۲، مشکوٰة ۲۸۰۹/۱ و حسنهٗ الالبانی و صفة الصلوٰة ص: ۹٤)

② (مسند حمیدی ص: ۱۸۳ بتحقیق خالد گھرجاکھی ، ابو یعلیٰ ۲۷۵، مجمع الزوائد ۱٤۰/۱/۱ و صححه الالبانی فی صفة الصلوٰة ص: ۹۳ و التعلیق الممجد ص: ۱۰۸ حاشیه نمبر ۸)

((حَدَّثَنِيْ رَجُلٌ أَنَّهُ رَأَىٰ الْأَنْبِيَاءَ مُمَثَّلِيْنَ فِيْ كَنِيْسَةٍ فِي الشَّامِ فِيْ صَلٰوتِهِمْ قَائِلِيْنَ هٰكَذَا وَنَصَبَ الْحُمَيْدِيُّ اِصْبَعَهُ)) ①

''مجھے ایک آدمی نے بتایا ہے کہ اس نے شام کی ایک عبادت گاہ میں انبیاء کی جماعت کو دیکھا جو یوں کئے ہوئے تھے اور امام حمیدی نے انگلی کھڑی کر کے دکھائی۔''

محدّثِ عصر علامہ البانی نے کہا ہے کہ اس آدمی تک اس اثر کی سند صحیح ہے اور یہ ایک انتہائی نادر علمی فائدہ ہے۔ ②

ان تفصیلات سے اشارے کا فائدہ اور اس کی اہمیّت وحکمت واضح ہوگئی ہے۔

① (رُوِیَ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ فِی الْإِشَارَةِ أَنَّهُ قَالَ :((هُوَ الْإِخْلَاصُ)) ③

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اشارہ کے بارے میں مروی ہے کہ ''یہ اخلاص کی نشانی وعلامت ہے۔''

② وَقَالَ مُجَاهِدٌ :((تَحْرِيكُ الرَّجُلِ اِصْبَعَهُ فِي الْجُلُوْسِ فِي الصَّلٰوةِ مُقْعِمَةٌ لِلشَّيْطَانِ)) ④

''امام مجاہد نے کہا ہے کہ آدمی کا قعدہ میں انگلی ہلانا شیطان کیلئے بڑا رسوا کن اور ذلّت ناک ہوتا ہے۔''

③((تَحْرِيْكُ الْاِصْبَعِ فِي الصَّلٰوةِ مُذْعِرَةٌ لِلشَّيْطَانِ)) ⑤

---

① (مسند حمیدی ص: ۱۸۳) ② (صفه الصلوٰه ص: ۹۳)

③ (البیهقی ۲/۱۳۳) ④ (البیهقي ۲/۱۳۲ ـ ۱۳۳، النیل ۲/۳/۱۳۶)

⑤ (البیهقي ۲/۱۳۲)

''نماز میں انگلی ہلانا شیطان کیلئے باعثِ دہشت اورسببِ خوف وہراس ہوتا ہے۔''

یہ اثر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے اور امام بیہقی نے کہا ہے کہ اس کے بیان کرنے میں واقدی متفرد ہے اور وہ قوی راوی نہیں ہے۔

توحید کی گواہی:

انگلی ہلانے کا فلسفہ بھی بعض اہلِ علم نے بیان کیا ہے چنانچہ مولانا حکیم محمد صادق صاحب رحمہ اللہ سیالکوٹی نے صلوٰۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں لکھا ہے:

''انگلی کے ہلانے کا فلسفہ یہ ہے کہ جب انگلی کو کھڑا کیا تو اس نے توحید کی گواہی دی کہ اللہ ایک ہے۔ پھر جب انگلی کو بار بار ہلانا شروع کیا تو اس نے بار بار (اللہ کے)ایک ایک ایک ہونے کا اعلان کیا مثلاً دورانِ تشہد انگلی کو سات یا آٹھ بار ہلایا تو اتنی مرتبہ ہی انگلی نے توحید کا اعلان کیا۔ گویا انگلی کھڑی ہوئی اور بول بول کر ایک اللہ ایک اللہ کہتی رہی۔ اور نمازی کے کیف کا یہ عالم ہو کہ نظر انگلی کے رفع اور حرکت پر رکھے، دماغ وحدانیت کی آبشار دل پر گرائے اور قلبِ عطشان یہ آبِ حیات پیتا جائے۔''①

زبان کے ساتھ انگلی سے بھی توحید کی گواہی کے بارے میں ایک دوسری جگہ پر لکھتے ہیں:

''گویا بارگاہِ رب الارباب میں غلام دوزانو بیٹھ کر اپنے قول وفعل سے اس کی وحدانیت کی صدقِ دل سے گواہی دے تاکہ دل کی تصدیق سے زبان کی شہادت، علّام الغیوب کی رضا کی موجب ہو اور شہادت کی نیت سے انگلی کی تلوار، بے نیام (یعنی کھڑی) ہو کر شیطان کو مجروح و مایوس کر دے۔''②

---

① (صلوٰۃ الرسول ص: ۲۷۲) ② (ص: ۲۲۹)

اور یہی مفہوم علامہ ابن رسلان کے قول کا ہے جسے تحفۃ الاحوذی میں علامہ مبارکپوری نے نقل کیا ہے۔①

اور امام نووی نے بھی دولفظوں میں اسی مفہوم کو ادا کیا ہے۔②

اشارے کے وقت نظر کہاں؟

یہاں یہ بات بھی ذکر کرتے جائیں کہ جس طرح انگلی سے اشارہ کرنے میں صحابہ و آئمہ اور فقہاء و محدثین میں کوئی اختلاف نہیں ہے اسی طرح ہی اس بات پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ انگلی سے اشارہ کرتے وقت نمازی کی نظر اس اشارے تک ہی رہنی چاہیئے اور اس بات کی دلیل صحیح مسلم و ابی عوانہ، مسند حمیدی و ابی یعلیٰ، بیہقی اور صحیح ابن خذیمہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انگلی سے اشارہ کرتے تو وہ یوں ہوتا:

((أَشَارَ بِاِصْبَعِهِ الَّتِي تَلِي الْاِبْهَامَ اِلَى الْقِبْلَةِ رَمَىٰ بِبَصَرِهِ اِلَيْهَا أَوْ نَحْوَهَا)) ③

”آپ صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی سے قبلہ کی طرف اشارہ کرتے اور اپنی نگاہ اشارے پر یا اشارے کی طرف رکھتے تھے۔“

جبکہ ابو داؤد، نسائی، صحیح ابن خذیمہ، مسند احمد اور بیہقی میں حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے:

---

① (تحفۃالاحوذی ۱۸۵/۲)

② (شرح مسلم ۹۲/۵/۳، نیز دیکھیئے سبل السلام ۱۸۸/۱/۱، النیل ۱۳۶/۳/۲)

③ (ابن خذیمه ۳۵۶/۱ واللفظ لهٗ، مسلم ۸۰/۵/۳۔۸۱، بیهقی ۱۳۲/۲، صفة الصلوٰة ص: ۹۳)

((انَّ النَّبِيَّ كَانَ اذا تشهد اشار باصبعه السَّبَّابة لا يجاوز بصرُهُ اشارتَهُ)) ①

''نبی ﷺ جب تشہد فرماتے تو انگشت شہادت سے اشارہ کرتے اور آپ ﷺ کی نگاہیں اشارے سے تجاوز نہ کرتیں۔''

صرف ایک انگلی سے اشارہ:

یہاں یہ بات بھی ذکر کرتے جائیں کہ یہ اشارہ صرف ایک ہی انگلی سے جائز و ثابت ہے اور وہ بھی دائیں ہاتھ کی انگشتِ شہادت، کسی دوسری انگلی سے اشارہ ثابت نہیں ہے حتیٰ کہ امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ اگر کسی کی انگشتِ شہادت کٹی ہوئی ہو تب بھی وہ کسی دوسری انگلی سے اشارہ نہیں کرے گا۔②

صرف ایک ہی انگلی سے اشارہ کرنا دو یا زیادہ سے نہیں، اس بات کا ثبوت سنن ترمذی، نسائی، مصنف ابن ابی شیبہ، مستدرک حاکم والدعوات الکبیر للبیہقی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:

((أَنَّ رَجُلاً كَانَ يَدْعُوْ بِاِصْبَعَيْهِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَحِدْ أَحِدْ[وَأَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ])) ③

---

① (ابن خذیمه ۳۵۵/۱ وحسنه الاعظمی ، بیهقی ۱۳۲/۲، الفتح الربانی ٤/ ١٥، ابو داؤد ۲۸۲/۳ مع العون ، نسائی ۱٤۹/۱/۱، ابو عوانه ۲۲٦/۲، مشکوٰة مع المرعاة ۲/ ٤۸۰)

② (شرح مسلم نووی ۸۱/٥/۳)

③ (مشکوٰة ۲۸۸/۱ صححه الحاکم ووافقه الذهبی و حسنه الالبانی ، صفة الصلوٰة ص: ۹٥)

''ایک شخص اپنی دو انگلیوں سے دعاء [اشارہ] کر رہا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک سے ایک سے [اور انگشتِ شہادت کی طرف اشارہ کیا]''

مصنف ابن ابی شیبہ میں اس حدیث کی شاہد ایک دوسری حدیث بھی ہے ۔

قبلہ کی طرف اشارہ :

انگلی سے قبلہ کی طرف اشارہ کرنا چاہیئے کیونکہ صحیح مسلم اور ابن خذیمہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل یہ بتایا ہے:

((أَشَارَ بِاِصْبَعِهِ الَّتِي تَلِي الْاِبْهَامَ اِلَى الْقِبْلَةِ وَرَمىٰ بِبَصَرِهِ اِلَيْهَا)) ①

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی سے قبلہ شریف کی طرف اشارہ کیا اور نگاہ اسی پر رکھی۔''

انگشتِ شہادت کو خمیدہ رکھنا؟

بعض احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ انگشتِ شہادت کو تھوڑا سا خمیدہ رکھا جائے، اکڑا کر سیدھا نہ رکھا جائے جیسا کہ ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، صحیح ابن خذیمہ، بیہقی اور دیگر کتبِ حدیث میں نمیر الخزاعی سے مرفوعاً مروی ہے:

((وَقَدْ أَحْنَاهَا شَيْئاً وَهُوَ يَدْعُوْ)) ②

''اس [انگلی] کو خمدار رکھا ہوا تھا اور دعاء کر رہے تھے۔''

لیکن بعض اہلِ علم نے اس حدیث پر کلام کیا ہے اور علامہ البانی نے اسے

---

① (مسلم: ۱۱٦، ابن خذیمہ ۱/ ۳۵٦)

② (ابو داؤد مع العون ۳/۲۸۲، ابن خذیمہ ۱/۳۵٤ واللفظ له، بیہقی ۲/۱۳۱)

ضعیف سنن ابی داؤد اور ضعیف سنن نسائی میں وارد کیا ہے۔ ①

انگلی اٹھانے کا موقع ومحل :

اس سلسلہ میں اہلِ علم کی مختلف آراء ہیں:

① امام نووی نے شرح مسلم میں شافعیہ کا مسلک یہ لکھا ہے کہ صحیح احادیث کی بناء پر تشہد میں انگلی سے اشارہ کرنا ہمارے نزدیک مستحب ہے اور ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ صرف تشہد میں اِلَّا اللّٰہَ کے الفاظ پڑھتے وقت انگلی سے ایک مرتبہ اشارہ کرنا چاہیئے۔ ②

متاخرین شافعیہ ایک مرتبہ جب انگلی اٹھالیں تو پھر سلام تک گراتے نہیں ہیں اور اسے ہی ایک اشارہ شمار کیا جاتا ہے۔

② ملا علی قاری اور حلوانی نے احناف کا مسلک یہ لکھا ہے کہ تشہد میں لَا اِلٰـہَ کہتے وقت انگلی اٹھائے اور اِلَّا اللّٰہَ کہنے کے ساتھ ہی جھکا لے۔ ③

لیکن مٹھی کو بند ہی رکھا جائے جیسا کہ مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے بہشتی زیور میں واضح طور پر لکھا ہے کہ انگوٹھے اور درمیان والی انگلی کے حلقے کو سلام پھیرنے تک بنائے رکھیں اور انگشتِ شہادت کو کھلا رکھیں۔ ④

③ حنابلہ کے نزدیک یہ اشارہ تشہد میں جہاں جہاں بھی لفظِ جلالت یعنی اللّٰہ، اللّٰھُمَّ، رَبِّ، رَبَّنَا یا کوئی بھی اللہ کا ذاتی یا صفاتی نام آئے وہیں وہیں انگلی کو اٹھا کر اس

---

① (ضعیف ابی داؤد ص:٩٦، ضعیف سنن نسائی ص:٤٤)

② (شرح مسلم نووی ٨١/٥/٣، تحفة الاحوذی ١٨٤/٢، الفتح الربانی ١٨/٤)

③ (بحواله التحفه ایضاً و عون المعبود ٢٨٠/٣)

④ (بهشتی زیور جزء ثانی ص:١٦)

کی وحدانیت کا اشارہ کیا جائے۔ ①

④ مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ شروع تشہّد سے لیکر آخر تک یعنی سلام پھیرنے تک انگلی کو اٹھاتے اور گراتے رہنا چاہیئے۔ ②

تین مواقع یا مقامات:

ان چاروں فقہی مکاتب فکر کے آئمہ وفقہاء کی ان تصریحات سے اشارے کے موقع ومحل کے بارے میں تین باتیں سامنے آتی ہیں:

① تشہّد میں صرف کلمۂ شہادت کا جزءاول لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهَ کہتے وقت محض ایک مرتبہ انگلی اٹھانا جیسا کہ کچھ جزوی فرق کے ساتھ یہ احناف اور شافعیہ کا مسلک ہے۔

② پورے تشہّد یا قعدہ کے دوران جب جب بھی اللہ کا کوئی نام آئے تب تب انگلی اٹھانا جیسا کہ حنابلہ کا مسلک ہے۔

③ پورے قعدہ کے دوران وقفے وقفے سے مسلسل انگلی کو اٹھاتے گراتے رہنا جیسا کہ مالکیہ کا مسلک ہے۔

①لا الٰہ الاّ اللہ کے ساتھ تخصیص والا حنفی وشافعی مسلک:

ان تینوں میں سے پہلے کیلئے دلیل کے طور پر کوئی صحیح وصریح حدیث پیش نہیں کی جاتی بلکہ محض عقل کی روشنی میں کہا جاتا ہے کہ جب انسان زبان سے اللہ کی وحدانیت کا اقرار لا الٰـــہ الاّ الـلـــہ کہہ کر کرتا ہے تو مناسب ہے کہ اسی وقت انگلی اٹھا کر بھی توحید الٰہی کی شہادت دے دے۔اس طرح اس کے قول وفعل میں یگانگت اور باہم

---

① (المغنی ۲/۲۱۹ بتحقیق الترکی)

② (عون المعبود ۳/۲۸۱، صفة الصلوٰة تحقیق المشکوٰة ۱/ ۲۸۵)

مطابقت پیدا ہو جائیگی جبکہ اس بات کا پتہ کسی حدیث سے نہیں چلتا کہ انگلی سے اشارہ صرف لا الہٰ الا اللہ کہتے وقت ہی کرنا چاہیے پہلے یا بعد میں نہیں۔

ایک روایت:

امیر صنعانی نے سبل السلام میں لکھا ہے کہ اس بات کا پتہ سنن کبریٰ بیہقی میں وارد ایک روایت سے چلتا ہے۔ ①

امیر صنعانی نے بیہقی کی جس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے وہ مسند احمد میں بھی ہے اس میں مقسم ابوالقاسم کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے مجھے بتایا ہے کہ:

''میں نے حضرت خُفاف رضی اللہ عنہ بن ایماء کے ساتھ نماز پڑھی تو انھوں نے مجھے انگلی سے اشارہ کرتے دیکھ کر پوچھا کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ میں نے فقہاء وصالحین کو ایسا کرتے دیکھا ہے اس لئے میں بھی ایسا کرتا ہوں یہ سن کر انھوں نے فرمایا: تم نے صحیح کہا ہے، اور آگے وہ فرماتے ہیں:

((رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُشِيرُ بِاِصْبَعِهِ اِذَا جَلَسَ يَتَشَهَّدُ فِيْ صَلٰوتِهٖ وَ كَانَ الْمُشْرِكُوْنَ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يَسْحَرُنَا وَ اِنَّمَا يُرِيدُ النَّبِيُّ ﷺ التَّوْحِيْدَ)) ②

''میں نے نبی ﷺ کو دیکھا، آپ ﷺ انگلی سے بوقتِ تشہد اشارہ کرتے تھے اور مشرکین یہ کہتے تھے کہ یہ ہمیں جادو کرتا ہے، جبکہ نبی ﷺ تو دراصل انگلی سے توحیدِ باری تعالیٰ کا عملی ثبوت دیتے تھے۔''

① (سبل السلام ١/١/١٨٨)

② (مسند أحمد ٤/٥٧، بيهقى ٢/١٣٣)

اس کا پہلا جواب:

علامہ عبید اللہ رحمانی نے المرعاۃ میں ان کا تعاقب کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام بیہقی وغیرہ کی ذکر کردہ روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی ﷺ انگشتِ شہادت کے ساتھ توحیدِ الٰہی کی طرف اشارہ کرتے تھے لیکن جیسا کہ واضح ہے کہ اس میں لا الہ الّا اللہ کہتے وقت انگلی سے اشارہ کرنے کی قطعاً صراحت نہیں ہے اور نہ ہی اسمیں اس بات کی نفی کی گئی ہے کہ آغازِ قعدہ سے ہی انگلی سے اشارہ شروع کر دیا جائے۔ اس روایت میں صحابی کا مقصود اشارہ کرنے کی حکمت بیان کرنا ہے نہ کہ اشارے کے موقع و محل اور اس کے وقت کی تعیین بیان کرنا۔ ①

① علامہ رحمانیؒ کی تحقیق:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث کی شرح میں المرعاۃ میں علامہ رحمانیؒ نے اپنی تحقیق یوں پیش کی ہے کہ احادیث کا ظاہر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آغازِ قعدہ سے ہی اشارہ شروع کر دیا جائے اور مجھے ایسی کوئی صحیح وصریح حدیث نہیں ملی جو اس بات کا پتہ دیتی ہو کہ انگلی سے اشارہ بالخصوص اور صرف لا الہ الّا اللہ کہتے وقت کرنا چاہیئے۔ اور چونکہ بعض احادیث میں اشارے کو سلام تک مسلسل جاری رکھنے کا ذکر بھی آیا ہے لہٰذا موصوف لکھتے ہیں: ہمارے نزدیک راجح بات یہ ہے کہ تشہد کیلئے بیٹھتے ہی ہاتھ کی گرہ باندھ لی جائے اور انگشتِ شہادت سے اشارہ شروع کر دیا جائے اور سلام پھیرنے تک مسلسل اشارہ جاری رکھا جائے۔ ②

اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث کے الفاظ، ((وَأَشَارَ بِاِصْبَعِهِ

---

① (المرعاۃ ٤٦٨/٢)　② (المرعاۃ ٤٦٨/٢)

السَّبَّابَةِ)) کی شرح میں بھی لکھا ہے :

((أَيْ مِنْ ابْتِدَاءِ الْقُعُوْدِ لِلتَّشَهُّدِ)) ①

''تشہد کیلئے بیٹھنے کے آغاز سے ہی اشارہ شروع کردیا جائے۔''

② علامہ مبارکپوری ؒ کی تحقیق:

علامہ رحمانی ؒ کے استاذ گرامی علامہ عبد الرحمٰن مبارکپوری ؒ نے بھی امیر صنعانی کی ذکر کردہ بیہقی والی روایت کی طرف اشارہ کرکے تحفہ الاحوذی میں لکھا ہے کہ لا الہ الّا اللہ پر اشارہ کرنے کا بالصراحت پتہ دینے والی کوئی حدیث ہمیں نہیں ملی اور نہ ہی امیر صنعانی نے اس روایت کی سند ذکر کی ہے کہ اس کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کا فیصلہ کیا جا سکے اور پھر انھوں نے بھی اپنی تحقیق و ترجیح وہی بیان کی ہے جو کہ علامہ رحمانی ؒ کے حوالے سے ہم ذکر کر چکے ہیں۔ ②

③ علامہ البانی ؒ کی تحقیق:

ادھر دورِ حاضر کے معروف عالم ومحدّث علامہ البانی ؒ نے بھی تحقیق مشکوٰۃ ،صفۃ صلوٰۃ النبی اور دیگر کتب میں لکھا ہے کہ تشہد میں انگلی سے اشارہ کرنے کو لا الٰہ الّا اللّٰہ کے وقت کے ساتھ مقیّد کرنا یہ محض رائے ہے، سنتِ رسول ﷺ سے اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اور اشارے کو نفی و اثبات کے ساتھ پابند کر دینا از روئے سنّت لا اصل ہے۔ بلکہ یہ رائے احادیث صحیحہ کی رو سے سنّت کے مخالف ہے۔ غرض شیخ موصوف کی تحقیق بھی یہی ہے کہ اشارے کو کلمۂ شہادت کے ساتھ خاص نہ کیا جائے۔ ③

---

① (المرعاة ٢/٤٦٩) ② (تحفة الاحوذی ٢/ ١٨٥)

③ (دیکھئے : تحقیق مشکوٰۃ ١/٢٨٥، صفة الصلوٰۃ ص: ٩٤)

دوسرا جواب:

اس روایت کے اپنے موضوع میں صریح نہ ہونے کے علاوہ یہ روایت ضعیف ہونے کی وجہ سے بھی نا قابلِ استدلال ہے کیونکہ حضرت خُفاف رضی اللہ عنہ سے بیان کرنے والے آدمی کا پتہ ہی نہیں کہ وہ کون ہے۔ ایسے مجہول کی روایت کو ضعیف شمار کیا جاتا ہے۔

البتہ مسند ابی یعلی (۹۰۸) میں یہ روایت ایک دوسری سند سے بھی مروی ہے اور اسمیں حضرت خُفاف رضی اللہ عنہ سے بیان کرنے والے راوی ان کے فرزند حضرت حارث رضی اللہ عنہ ہیں اور تہذیب التہذیب (۱۴۱/۲) میں حافظ ابن حجر کی تحقیق کے مطابق وہ بھی صحابی ہیں لیکن ابو یعلی والی سند میں ایک راوی یزید بن عیاض ہیں جنہیں علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے الکاشف (۲۴۸/۳) میں متروک قرار دیا ہے لہٰذا اس کی سند سخت ضعیف ہے۔①

ان دونوں وجوہات کے پیشِ نظر اس حدیث کو دلیل بنانا صحیح نہیں ہے۔

ایک دوسری حدیث:

جس طرح امیر صنعانی نے مسند احمد و بیہقی کی ایک روایت سے اخذ کیا ہے کہ لا اله الّا الله کہتے وقت انگلی سے اشارہ کیا جائے جبکہ اس روایت میں اشارے کے موقع و محل کی تعیین سرے سے مذکور ہی نہیں بلکہ اشارے کی حکمت وارد ہوئی ہے جیسا کہ اس کا تفصیلی ذکر کیا جا چکا ہے۔ کچھ اسی طرح کا معاملہ ایک اور حدیث سے بھی کیا گیا ہے۔ چنانچہ معروف فقیہہ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہوئے المرقاۃ

---

① (دیکھئے : تحقیق صلوٰۃ الرسول ﷺ ص: ۳۰۵-۳۰۶)

شرح مشکوٰۃ میں ملاّ علی قاری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ صحیح مسلم میں وارد ایک حدیث کے پیشِ نظر مسنون یہ ہے کہ انگلی سے اشارہ کرنے کو لا الٰہ الّا اللہ کہنے کے وقت کے ساتھ خاص کیا جائے۔①

اس کا جواب:

ان حضرات کی بات بھی اپنے اندر کوئی خاص وزن نہیں رکھتی کیونکہ اشارے کا پتہ دینے والی احادیث کی نصوص ہم آپ کے سامنے ذکر کر چکے ہیں جن سے آپ بھی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان میں سے صحیح مسلم کی کسی حدیث میں اس بات کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ اس سلسلہ میں ان سے چوک ہوگئی ہے یہی وجہ ہے کہ محققِ مشکوٰۃ (شیخ البانیؒ) نے لکھا ہے:

(فَوَهْمٌ مَحْضٌ فَإِنَّهُ لَا أَصْلَ لِذٰلِكَ لَا فِيْ مُسْلِمٍ وَلَا فِيْ غَيْرِهٖ مِنْ كُتُبِ السُّنَّةِ لَا بِإِسْنَادٍ صَحِيْحٍ وَلَا ضَعِيْفٍ وَلَا مَوْضُوْعٍ)②

''یہ محض وہم ہے، اس کی کوئی اصل نہیں، نہ مسلم میں نہ دوسری کتبِ حدیث میں۔ نہ کسی صحیح سند سے نہ ضعیف سے اور نہ ہی موضوع و من گھڑت سند سے۔''

شیخ الکل میاں سید نذیر حسین محدث دہلویؒ کا فتویٰ:

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شیخ الکل میاں سید نذیر حسین محدّث دہلوی رحمہ اللہ کے اس سلسلہ میں صادر شدہ ایک فتویٰ کی طرف بھی اشارہ کر دیں چنانچہ غایۃ المقصود شرح ابو داؤد علامہ شمس الحق عظیم آبادی کے حوالے سے

---

① (بحوالہ تحقیق مشکوٰۃ ۱/۲۸۵) ② (تحقیق مشکوٰۃ ۲۸۵)

عون المعبود اور المرعاۃ میں شارحینِ کرام نے لکھا ہے کہ شیخ الکل موصوف رحمہ اللہ نے اپنے بعض فتاویٰ میں لکھا ہے :

(اِنَّ الْمُصَلِّيْ يَسْتَمِرُّ اِلَى الرَّفْعِ اِلىٰ آخِرِ الدُّعَاءِ بَعْدَ التَّشَهُّدِ) ①

''نمازی تشہد کے بعد دعاء کے آخر تک انگلی کو اٹھاتا رہے۔''

اور آگے لکھا ہے کہ موصوف کا مکمل فتویٰ غایۃ المقصود میں مذکور ہے۔

اب تک ذکر کی گئی ان تمام تفصیلات سے معلوم ہوا کہ تشہد یا قعدہ میں انگشتِ شہادت سے اشارہ کرنے کو لا الٰہ الّا اللہ کہنے کے وقت کے ساتھ خاص کرنا کسی صحیح و صریح حدیث سے ثابت نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس متعدد احادیثِ صحیحہ کے ظاہر سے پتا چلتا ہے کہ اشارے کا آغاز شروع قعدہ سے کر دینا چاہیئے ان احادیث کا تذکرہ آگے آ رہا ہے۔

②لفظِ جلالت پر انگلی اٹھانے والا حنبلی مسلک:

اسی سلسلہ میں دوسرا مسلک حنابلہ کا ہے جنکا کہنا ہے کہ قعدہ میں جب جب بھی لفظِ جلالت یعنی اللہ تعالیٰ کا کوئی ذاتی یا صفاتی نام مثلاً: اللّٰــه، اللّٰهمّ ، ربِّ اور ربَّنا وغیرہ آئے تب تب ہی انگلی کو اٹھا کر اشارہ کیا جائے ،اوران کا استدلال بھی لا الٰہ الّا اللّٰــه کہتے وقت انگلی کو اٹھانے کی رائے رکھنے والے فقہاء کی طرح ہی رائے پر مبنی ہے۔اگر چہ ان کی نسبت یہ رائے سنّت کے زیادہ قریب ہے کیونکہ لفظِ جلالت پر انگلی اٹھانے سے بھی قعدۂ اولیٰ میں متعدد بار اور دوسرے یا آخری قعدہ میں کم و بیش پندرہ مرتبہ انگلی کو اٹھانے اور گرانے کی نوبت آتی ہے۔ بہر حال ان کا استدلال جن روایات

---

① (عون المعبود ۲۸۱/۳، المرعاۃ ۴۸۰/۲)

سے ممکن ہے ان کا جواب بھی وہی ہے جو لا الہ الّا اللہ پر انگلی اٹھانے والے فقہاء کو دیا جاتا ہے۔ اور وہ ہم قدرے تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں لہٰذا ان تفصیلات کو یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ غرض دلیل و نظر کے اعتبار سے اس مسلک کا جواب دیا جاتا ہے۔ ورنہ اس کے اور مالکیہ کے مسلک میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ کیونکہ عملاً یہ حنابلہ والا مسلک بھی مالکیہ کے قریب ہی جا نکلتا ہے گویا ان دونوں کے مابین صرف نظری فرق ہے عملی نہیں۔

③ آغاز قعدہ وتشہد پر اشارہ کرنے والا مالکی مسلک:

تشہد میں انگلی اٹھانے یا اشارہ کرنے کے سلسلے میں تیسرا مسلک مالکیہ کا ہے۔ ان کے نزدیک آغازِ قعدہ وتشہد سے ہی انگلی کے ساتھ اشارہ کیا جائیگا اور سلام پھیرنے تک اسے مسلسل جاری رکھا جائے گا یعنی وقفے وقفے سے انگلی کو اٹھاتے اور گراتے رہنا ہوگا نہ کہ صرف کھڑے کیے رکھنا۔ اور مالکیہ کے اس مسلک کے بارے میں دو زاویوں سے گفتگو کی جا سکتی ہے۔

اولاً: آغازِ قعدہ وتشہد سے ہی انگلی سے اشارہ کرنے کے دلائل۔

ثانیاً: سلام پھیرنے تک انگلی کے اشارے کو مسلسل جاری رکھنے کے دلائل۔

لہٰذا آیئے ان دونوں نقطوں پر گفتگو کریں۔

اولاً: آغاز سے ہی اشارہ شروع کر دینے کے دلائل:

ان میں سے پہلی بات کہ آغازِ قعدہ وتشہد سے ہی انگلی سے اشارہ شروع کر دینا چاہیئے اس پر کئی احادیث سے استدلال کیا جاتا ہے جن میں سے چھ احادیث ہم ''انگلی اٹھانے کی مشروعیت'' کے تحت ذکر کر چکے ہیں:

پہلی دلیل:

ان میں سے پہلی حدیث صحیح مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جس میں ہے :

((كَانَ..إذَا قَعَدَ فِي التَّشَهُّدِ .. عَقَدَ ثَلاثَةً وَّ خَمْسِينَ وَ أَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ)) ①

''آپ ﷺ جب تشہد کیلئے بیٹھتے..تو ترپن (۵۳) کا عدد بنالیتے اور انگشتِ شہادت سے اشارہ کرتے۔''

دوسری دلیل:

دوسری حدیث مسلم ،ترمذی، نسائی ، ابن ماجہ ، ابو عوانہ ،بیہقی، مصنف عبدالرزاق،اورمسند احمد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی مروی ہے جس میں ہے:

((كَانَ إذَا جَلَسَ ... رَفَعَ إصْبَعَهُ الْيُمْنَى الَّتِي تَلِي الْإِبْهَامَ يَدْعُوْ بِهَا)) ②

''آپ ﷺ جب بیٹھتے تو انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی اٹھاتے اور دعاء مانگتے۔''

تیسری دلیل:

اس سلسلہ کی تیسری حدیث سنن اربعہ، ابن حبان ، وابن خزیمہ، دارمی ،بیہقی اورمسند احمد میں حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں ہے:

((ثُمَّ جَلَسَ ... وَحَلَّقَ حَلْقَةً ... ثُمَّ رَفَعَ إصْبَعَهُ فَرَأَيْتُهُ

① (حوالہ سابقہ) ② (ایضاً)

يُحرِّكُهَا ، يَدْعُوْ بِهَا)) ①

''پھر آپ ﷺ بیٹھ گئے اور ہاتھ کی انگلیوں کا حلقہ بنایا پھر انگلی اٹھائی۔ میں نے آپ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ انگلی کو ہلا رہے تھے اور دعاء مانگ رہے تھے۔''

چوتھی دلیل :

صحیح مسلم ، نسائی ، مسند احمد اور بعض دیگر کتب حدیث میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ایک اور حدیث یوں ہے :

((كَانَ إِذَا جَلَسَ وَضَعَ كَفَّهُ الْيُمْنَى عَلَى فَخِذِهِ الْيُمْنَى وَقَبَضَ أَصَابِعَهُ كُلَّهَا وَأَشَارَ بِإِصْبَعِهِ الَّتِيْ تَلِي الْإِبْهَامَ فَدَعَىٰ بِهَا))②

''آپ ﷺ جب تشہد کیلئے بیٹھتے تو دائیں ہتھیلی دائیں ران پر رکھتے اور اس کی تمام انگلیوں کو بند کر لیتے اور انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی سے اشارہ کرتے اور دعاء مانگتے۔''

پانچویں دلیل:

ایسے ہی صحیح مسلم و بیہقی ، دار قطنی اور مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے:

((كَانَ .. إِذَا قَعَدَ يَدْعُوْ .. أَشَارَ بِإِصْبَعِهِ السَّبَابَةِ وَوَضَعَ إِبْهَامَهُ عَلَى إِصْبَعِهِ الْوُسْطَىٰ))③

---

① (ایضاً) ② (ایضاً) ③ (ایضاً)

''آپ ﷺ جب تشہد و دعاء کیلئے بیٹھتے تو انگشتِ شہادت سے اشارہ کرتے اور اپنا انگوٹھا درمیانی انگلی پر رکھتے۔''

چھٹی دلیل:

اسی طرح ایک چھٹی حدیث صحیح مسلم میں حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے ہی مروی ہے جس میں ہے:

((كَانَ . . إِذَا قَعَدَ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَىٰ عَلَىٰ فَخِذِهِ الْيُمْنَىٰ وَأَشَارَ بِإِصْبَعِهِ)) ①

''آپ ﷺ جب قعدہ کرتے تو دایاں ہاتھ دائیں ران پر رکھتے اور انگلی سے اشارہ کرتے تھے۔''

وجہِ استدلال:

ان احادیث سے استدلال کس طرح کیا جاتا ہے؟ وہ وجہِ استدلال بھی بڑی عام فہم سی ہے محض ذرا سی توجہ کی ضرورت ہے اور وہ یوں کہ آپ ان سب احادیث کے الفاظ کو ذہن میں رکھ کر دیکھیں کہ ان میں سے تین احادیث ((كَانَ إِذَا قَعَدَ)) کے الفاظ سے اور دوسری تین ((كَانَ إِذَا جَلَسَ)) اور ((ثُمَّ جَلَسَ)) کے الفاظ سے شروع ہوتی ہیں اور پھر ان میں دائیں ہاتھ کو دائیں گھٹنے یا ران پر اور بائیں ہاتھ کو بائیں گھٹنے یا ران پر رکھنے کا ذکر ہے۔ اسی طرح دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے ترپن بنانے یا انہیں بند رکھنے یا ان کا حلقہ بنانے یا انگشتِ شہادت سے اشارہ کرنے کا ذکر ہے۔ سیاقِ احادیث ایسا ہے کہ معمولی غور کرنے سے بھی پتہ چل جاتا ہے کہ جب

---

① (و قد مرّ)

نبی ﷺ تشہد کیلئے بیٹھتے تبھی آپ ﷺ نے دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں یا رانوں پر رکھ لیتے اور اسی وقت ہی دائیں ہاتھ کو مخصوص انداز میں رکھ کر انگشتِ شہادت سے اشارہ شروع کر دیا کرتے تھے۔

چنانچہ علامہ البانی تحقیق مشکوٰۃ میں حدیثِ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے تحت لکھتے ہیں :

''اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ انگلی کو اٹھانا اور اس کے ساتھ اشارہ کرنا، بیٹھنے کے فوراً بعد ہے۔'' ①

علامہ رحمانی ؒ نے المرعاۃ میں لکھا ہے:

''ان احادیث کا ظاہر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ انگلی سے اشارہ قعدہ و تشہد کے شروع میں ہی ہے اور ہمیں ایسی کوئی صحیح حدیث نہیں ملی جو اس بات پر دلالت کرتی ہو کہ یہ اشارہ لا الٰہ الّا اللہ کے ساتھ خاص ہے۔''

اور آگے کہتے ہیں:

''ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ بیٹھتے ہی ہاتھ سے ترپن کی گرہ باندھی جائے اور اس وقت سے لیکر سلام پھیرنے تک انگشتِ شہادت کے ساتھ اشارہ کرتے رہیں۔'' ②

غرض جو احادیث ذکر کی گئی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ تشہد کیلئے قعدہ کرنا یا بیٹھنا، دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھنا، دائیں ہاتھ کی مخصوص شکل بنانا اور اس کی انگشتِ شہادت سے اشارہ کرنا، ان تمام افعال میں معیّت پائی جاتی ہے نہ کہ تراخی و بعدیت، یعنی یہ سب ایک ہی وقت میں کیئے جائیں گے نہ کہ کچھ پہلے اور کچھ بعد میں۔ لہٰذا ان سب احادیث سے مالکیہ کے مسلک کے پہلے جزء کی تائید ہوتی ہے کہ اشارہ قعدہ کے شروع میں ہی ہے نہ کہ لا الٰہ الاّ اللہ کہتے وقت۔

---

① (تحقیق مشکوٰۃ ۱/۲۸۵) ② (المرعاۃ ۲/٤٦٧)

ثانیاً: سلام پھیرنے تک اشارہ جاری رکھنے کے دلائل:

اب رہا معاملہ مالکیہ کے مسلک کے جزِ ثانی یعنی سلام پھیرنے تک انگلی سے اشارہ جاری رکھنے کے دلائل کا تو اس سلسلہ میں بھی ان کا استدلال بعض صحیح احادیث سے ہے مثلاً:

پہلی دلیل:

سابق میں ذکر کی گئی احادیث میں سے ایک تو صحیح مسلم و ترمذی، نسائی، ابن ماجه، ابن خذیمه، ابو عوانه، بیهقی، مصنف عبد الرزاق اور مسند احمد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث ہے جس میں ہے :

((كَانَ اِذَا جَلَسَ .. رَفَعَ اِصْبَعَهُ الْيُمْنٰى الَّتِىْ تَلِي الْاِبْهَامَ، يَدْعُوْ بِهَا)) ①

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیٹھتے ..تو انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی اٹھا لیتے اور اس کے ساتھ ہی دعاء کرتے تھے۔''

اس حدیث کے تحت شیخ البانی نے تحقیق مشکوٰۃ میں لکھا ہے:

((وَفِيهِ الْاِشَارَةُ اِلٰى اِسْتِمْرَارِ الرَّفْعِ اِلٰى آخِرِ التَّشَهُّدِ قَبْلَ السَّلَامِ حَيْثُ الدُّعَاءُ)) ②

''اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ انگلی کو سلام سے پہلے والے سارے تشہد میں دعاء مانگنے تک اٹھائے ہی رکھنا چاہیے۔''

---

① (حواله سابقه) ② (مشكوٰة ١/٢٨٥)

دوسری دلیل:

دوسری حدیث صحیح مسلم و نسائی ، مسند احمد اور دیگر کتب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی مروی ہے جس میں ہے:

((كَانَ اِذَاجَلَسَ .. اَشَارَ بِاِصْبَعِهِ الَّتِيْ تَلِي الْاِبْهَامَ ، فَدَعٰى بِهَا)) ①

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیٹھتے تو انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی سے اشارہ کرتے اور اس وقت دعاء کر رہے ہوتے تھے۔''

تیسری دلیل اور اشارہ سے مراد:

ایک تیسری حدیث سنن اربعہ ، صحیح ابن حبان ،ابن خذیمہ ،دارمی ،بیهقی اور مسند احمد میں حضرت وائل بن حُجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے،اس میں اشارے کا انداز بھی بتادیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انگلی کو ہلاتے یعنی اٹھاتے اور گراتے بھی تھے صرف کھڑی ہی نہیں کیۓ رکھتے تھے چنانچہ وہ بیان فرماتے ہیں:

((ثُمَّ رَفَعَ اِصْبَعَهُ ، فَرَأَيْتُهُ يُحَرِّكُهَا ، يَدْعُوْ بِهَا)) ②

''پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلی اٹھائی اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعاء مانگ رہے تھے اور انگلی ہلا رہے تھے۔''

اس حدیث کے تحت شیخ البانی رحمہ اللہ نے تحقیق مشکوٰۃ میں لکھا ہے:

((يُفِيْدُ اِسْتِمْرَارَ التَّحْرِيْكِ وَعَلَيْهِ الْمَالِكِيَّةُ وَهُوَ الْحَقُّ))③

---

① (ایضاً) ② (ایضاً) ③ (مشکوٰۃ ۲۸۷/۱)

''یہ حدیث اس بات کا پتہ دے رہی ہے کہ انگلی کو مسلسل ہلاتے رہنا چاہیئے،
مالکیہ کا یہی مسلک ہے اور یہی حق ہے۔''

اورعلامہ رحمانیؒ نے بھی استمرارِ تحریک پر صاد کرتے ہوئے لکھا ہے:

(وَالرَّاجِحُ عِنْدَنَا أَنْ يَعْقِدَ مِنْ أَوَّلِ الْقُعُوْدِ مُشِيْراً بِالْمُسَبِّحَةِ مُسْتَمِرّاً عَلَى ذٰلِكَ اِلٰى أَنْ يُسَلِّمَ) ①

''ہمارے نزدیک راجح بات یہی ہے کہ تشہد کیلئے بیٹھتے ہی مٹھی کو بند کر کے انگشتِ شہادت سے اشارہ شروع کر دیا جائے اور سلام پھیرنے تک اسے جاری رکھا جائے۔''

ان تینوں حدیثوں کا مجموعی مفاد یہ ہے کہ نبی ﷺ قعدہ کے آخر تک یعنی سلام پھیرنے تک انگلی سے اشارہ کرتے رہتے تھے۔ اور اشارے کی کیفیت یہ تھی کہ آپ ﷺ اسے حرکت دیتے یعنی اٹھاتے اور گراتے رہتے تھے۔

وجہ استدلال:

ان احادیث سے استدلال اس طرح کیا جاتا ہے کہ ان میں انگلی کو اٹھانے اور اس سے اشارہ کرنے کے ساتھ ہی دعاء کرنے کا بھی ذکر آیا ہے اور دعاء تشہد و درود شریف کے بعد اور سلام پھیرنے سے پہلے کی جاتی ہے لہٰذا یہ اشارہ بھی اس وقت تک جاری رہے گا۔ اور اشارے سے مراد محض انگلی کو کھڑے کیئے رکھنا نہیں بلکہ اسے حرکت دیتے رہنا ہے جیسا کہ حدیثِ وائل رضی اللہ عنہ میں لفظ یُحَرِّکُهَا سے پتہ چلتا ہے۔

تین اشکالات:

ان احادیث کے ظاہری مفہوم پر تین اشکالات وارد کیئے جاتے ہیں:

---

① (المرعاة ٢/٤٦٨)

پہلا اشکال:

ان احادیث میں فَدَعَیٰ بِهَا ، یا یَدْعُوْ بِهَا سے مراد سلام پھیرنے سے پہلے والی دعاء مراد نہیں بلکہ تشہد مراد ہے اور تشہد کو دعاء اس لئے کہا گیا ہے کہ اس میں نبی ﷺ کیلئے سلام ورحمت وبرکت اور اپنے اور صالحین کیلئے دعاء بھی ہے۔ ①

لہٰذا سلام پھیرنے تک اشارہ کرنا ثابت نہ ہوا۔

دوسرا اشکال:

دوسرا اشکال یہ وارد کیا جاتا ہے کہ حدیثِ وائل رضی اللہ عنہ میں یُحَرِّکُهَا سے مراد انگلی کو اٹھانا ہے نہ کہ بار بار اٹھانا اور گرانا یا ہلانا۔ ②

تیسرا اشکال:

تیسرا اشکال یہ ہے کہ اس حدیث میں اگر انگلی کو ہلانے کا ذکر آیا ہے تو ایک دوسری حدیث میں ((وَلَا یُحَرِّکُهَا)) کے الفاظ سے ہلانے کی نفی بھی وارد ہوئی ہے۔ ③

پہلے اشکال کا جواب:

ان اشکالات میں سے پہلے اشکال کا جواب یہ ہے کہ یَدْعُوْ بِهَا یا فَدَعَیٰ بِهَا سے تشہد مراد لینا اگرچہ ممکن ہے لیکن یہ متبادر الی الذہن معنیٰ ہرگز نہیں اور جب قعدہ میں دعاء کا وقت موجود ہے تو پھر اُسے مراد کیوں نہ لیا جائے اور کھینچ تان کر معنے کیوں

---

① (نقلهُ صاحب المرعاة ٢/٤٦٨ عن ابن حجر)

② (المرعاة ایضاً)

③ (قالهُ ملّا علی القاری کما في تحقیق المشکوة ١/٢٨٧)

نکالے جائیں اور پھر دوسرے قرائن بھی موجود ہیں جن سے یہی پتہ چلتا ہے کہ ان الفاظ سے سلام سے پہلے والی دعاء ہی مراد ہے۔اور امام مالک واحمد کی طرح ہی امام طحاوی اور کئی کبار محدثین نے بھی اس سے یہی معنیٰ مرادلیا ہے۔ ①

دوسرے اشکال کا جواب:

دوسرے اشکال کی طرف امام نسائی اور بیہقی رحمہااللہ کا رجحان ومیلان ہے۔ ②

جبکہ اس کی حیثیت بھی پہلے اشکال سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے کیونکہ یُحَرِّکُهَا اپنے مفہوم ظاہر میں بڑا واضح ہے لہٰذا اسے اسی پر محمول کرنا ہی اولیٰ ہے، خصوصاً جبکہ امام اہل السنہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے بھی استمرارِ تحریک کو ہی اپنایا ہے چنانچہ ابن ہانی نے ''مسائل امام احمد'' میں لکھا ہے :

(سُئِلَ الْإِمَامُ أَحْمَدُ: هَلْ يُشِيْرُ الرَّجُلُ بِإِصْبَعِهِ فِي الصَّلٰوةِ؟ قَالَ : نَعَمْ ، شَدِيْداً) ③

''امام احمد سے سوال کیا گیا کہ آیا نمازی قعدہ میں اشارہ کرے؟انھوں نے فرمایا:ہاں،زوردار طریقے سے۔''

اور ظاہر ہے کہ انگلی کو محض ایک دفعہ کھڑے کردینے کو تو (شَدِيْداً) نہیں کہا جاسکتا بلکہ یہ تو بار بار اور زوردار طریقہ سے اٹھانے کو ہی کہا جاسکتا ہے۔

تیسرے اشکال کے جوابات:

اب رہا معاملہ تیسرے اشکال کا کہ ایک حدیث میں اگر یُحَرِّکُهَا کے لفظ

① (دیکھئے تحقیق مشکوٰۃ ۱/۲۸۵، المرعاۃ ۲/۴۶۸، صفة الصلوٰۃ ص: ۹۴)

② (المرعاۃ ۲/۴۷۹، النیل ۲/۳/۱۳۵)

③ (ص:۲۶ مخطوطة المکتب الاسلامی بحوالہ صفة الصلوٰۃ ص:۹۴)

سے انگلی کو ہلانے کا پتہ چلتا ہے تو دوسری ایک حدیث میں وَلَا یُحَرِّکُهَا کے الفاظ سے اسے محض کھڑی کیئے رکھنے کا بھی ثبوت ملتا ہے کہ اسے حرکت نہ دی جائے تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ وَلَا یُحَرِّکُهَا والی حدیث تو واقعی حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے ابوداؤد، نسائی، مسند احمد اور ابن حبان میں مروی ہے جسمیں وہ بیان فرماتے ہیں :

((کَانَ النَّبِيُّ ﷺ یُشِیْرُ بِاِصْبَعِهٖ اِذَا دَعَا وَلَا یُحَرِّکُهَا)) ①

''نبی ﷺ دعاء کے وقت انگلی سے اشارہ کرتے تھے اور اسے ہلاتے نہیں تھے۔''

اس حدیث کو امام نووی نے صحیح کہا ہے۔ ②

امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں اسے روایت کیا ہے محققین زاد المعاد نے اسے حسن کہا ہے۔ امام ابوداؤد اور امام منذری نے اس کے بارے میں خاموشی اختیار کی ہے۔③

جبکہ شیخ البانی نے اسے حسن درجہ کی حدیث قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں سوائے محمد بن عجلان کے، ان کے حافظہ میں ضُعف تھا۔ اس کے باوجود ان کی روایت کردہ حدیث حسن کے درجہ سے کم نہیں ہوتی۔ اسلئے امام حاکم نے کہا ہے کہ امام مسلم نے ان سے تیرہ احادیث روایت کی ہیں۔ لیکن سبھی بطورِ شواہد۔ اور آئمہ متاخرین نے ان کے حافظے پر کلام کیا ہے مثلاً امام ذہبی نے کہا ہے کہ وہ

---

① (ابو داؤد مع العون ۳/ ۲۸۰، نسائی ۱/۱/ ۱۴۸-۱۴۹ مع التعلیقات السلفیه، مشکوٰۃ مع المرعاۃ ۲/ ۴۸۰، النیل ۲/۳/ ۱۳۵)

② (المجموع ۳/ ۴۵۴)

③ (المرعاۃ و عون المعبود ایضاً و تحقیق زاد المعاد ۱/ ۲۳۸)

حافظہ میں متوسط درجہ کے تھے۔①

تذکرہ الحفاظ میں انھوں نے کہا ہے: ان کے حافظہ میں کچھ کمزوری ہے۔②

اس تفصیل سے اس بات کا اندازہ ہوجاتا ہے کہ (امام نووی یا کسی دوسرے شخص کے) اس روایت کو صحیح کہنے کا قول بعید از حقیقت ہے۔

شاذ یا منکر جملہ:

پھر آگے چل کر اس حدیث کو حسن قرار دینے کے باوجود اس میں وارد جملہ وَلَا یُحَرِّكُهَا کو شیخ البانی نے بھی شاذ یا منکر قرار دیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ (متکلم فیہ راوی) محمد بن عجلان اس جملہ کو روایت کرنے میں ثابت قدم نہیں ہے۔ کبھی وہ اس جملہ کو روایت کرتے تھے اور کبھی نہیں کرتے تھے۔ اوران کا اسے روایت نہ کرنا ہی صحیح ہے۔ کیونکہ کئی دوسرے راویوں نے بھی اس حدیث کو بیان کرنے میں ان کی متابعت کی ہے لیکن انھوں نے اس جملہ کو روایت نہیں کیا۔ اسی طرح اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں انہی ابن عجلان اور دیگر رواۃ کے طُرق سے روایت کیا (لیکن ان کے یہاں یہ الفاظ نہیں ہیں) ③

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ابن عجلان سے چار راویوں نے یہ روایت بیان کی ہے جو کہ ابن جریج، ابوخالد، یحییٰ بن سعید اور سفیان بن عُیینہ ہیں۔ اوران چاروں میں سے صرف ابن جریج کی روایت میں وَلَا یُحَرِّكُهَا کے الفاظ ہیں باقی تینوں کے یہاں سرے سے یہ الفاظ نہیں ہیں۔ وَلَا یُحَرِّكُهَا والی ابن جریج کی روایت حوالوں سمیت ذکر کی جاچکی ہے۔④

---

① (المیزان ٣/ ٦٤٤) ② (التذکرہ ١/ ١٦٥)

③ (تحقیق مشکوٰۃ ١/٢٨٧) ④ (دیکھئے تیسرے اشکال کا جواب)

جبکہ ابو خالد کی روایت صحیح مسلم وبیہقی اور ابن ابی شیبہ میں ہے۔ ①
یحیٰ بن سعید کی روایت ابوداؤد ونسائی، ابن حبان، ابن خذیمہ، بیہقی ومسند احمد میں ہے۔ ②

اور سفیان بن عُیینہ کی روایت سنن دارمی میں ہے۔ ③

ولا یُحرّکھا کے شاذ یا منکر ہونے کے سلسلہ میں ہی کچھ مزید وضاحت بھی کرتے جائیں کہ اصولِ حدیث کا معروف قاعدہ ہے :

(الثِّقَةُ اِذَا خَالَفَ مَنْ هُوَ اَحْفَظُ مِنْهُ وَاَضْبَطُ كَانَتْ رِوَايَتُهُ شَاذَّةٌ)

''اگر کوئی ثقہ راوی اپنے سے زیادہ حافظہ اور ضبط واتقان والے راوی کی مخالفت کرے تو اس کی وہ روایت شاذ ہوتی ہے۔''

اور ان الفاظ کو روایت کرنے میں محمد بن عجلان نے اپنے سے زیادہ حفظ اور ضبط والے راوی زائدہ بن قدامہ کی مخالفت کی ہے کیونکہ زائدہ کے بارے میں حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ زائدہ ثقہ اور ثبت ہیں۔ ④

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ زائدہ، ابن عجلان سے زیادہ حافظہ وضبط والے تھے حتیٰ کہ علامہ ذہبی نے تذکرہ الحفاظ میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ امام وکیع، حافظہ میں زائدہ پر کسی دوسرے کو فوقیت نہیں دیتے تھے۔ ⑤

---

① (مسلم ۷۹/۵/۳۔۸۰، بیهقی ۱۳۱/۲ ، ابن ابی شیبه ۱۲۳۵/۲)

② (مسند احمد ۳/ ۴۷۱ ، ابن خذیمه ۷۱۵ ـ ۷۱٦ ، ابن حبان ۴۹۹، الموارد ،بیهقی ۲/ ۱۳۱ ،ابو داؤد ۳/ ۲۸۱ـ ۲۸۲ ، نسائی ۱۴۹/۱/۱)

③ (دارمی ۳۲۸/۱ و تحقیق صلوٰۃ الرسول ص: ۳۰۸)

④ (التقریب ص: ۱٦۱) ⑤ (تذکرہ الحفاظ ۱/ ۲۱/۲)

اس ساری تفصیل سے معلوم ہوا کہ وَلَا يُحَرِّكُهَا کے الفاظ پر مشتمل جملہ شاذ یا منکر ہے۔

علامہ ابن قیم کے جوابات:

علامہ ابن قیم نے ان الفاظ پر مشتمل روایت کے تین جوابات دیئے ہیں:

① ان الفاظ پر مشتمل جملہ کی صحت محلِ نظر ہے (اور اس کی تفصیل ہم ذکر کر چکے ہیں کہ یہ جملہ صحیح نہیں بلکہ شاذ یا منکر ہے)۔

② ابو داؤد کی روایت میں صراحت نہیں کہ یہ نماز کے دوران کا واقعہ ہے (یعنی ممکن ہے کہ نماز سے باہر کسی موقع پر انگلی سے اشارہ کیا گیا ہو مگر اسے حرکت مسلسل نہ دی گئی ہو بلکہ صرف ایک مرتبہ اٹھا دینے پر ہی اکتفاء کیا گیا ہو)۔

③ اگر اسے بحالتِ نماز بھی تسلیم کرلیں تب بھی اس روایت میں حرکت کی نفی گئی ہے۔ جبکہ حضرت وائل رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں حرکت کا اثبات ہے اور وہ حدیث بھی صحیح ہے اور اسے امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور معروف قاعدہ ہے:

(اَلْمُثْبِتُ مُقَدَّمٌ عَلَى النَّافِيْ) ①

''ثابت کرنے والا نفی کرنے والے پر مقدّم ہوتا ہے۔''

لہٰذا حرکت دینے کا پتہ دینے والی حدیث حرکت کی نفی کرنے والی روایت پر مقدّم ہوگی۔ ②

---

① (تحقیق مشکوٰۃ ۲۸۷/۱، المرعاۃ ۲/ ۴۷۹)

② (زاد المعاد ۲۳۸/۱-۲۳۹، تحقیق مشکوٰۃ ۱/ ۲۸۷)

بعض دیگر اہلِ علم کے جوابات:

④ بعض اہلِ علم نے ان دونوں طرح کی روایتوں میں جمع وتطبیق دینے کا انداز اختیار کیا ہے کہ ان دونوں کو مختلف مواقع پر محمول کرلیا جائے کہ کبھی حرکت دی اور کبھی نہیں دی ہوگی جبکہ بعض دیگر نے کہا ہے کہ حضرت وائل رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث کی نسبت صحیح تر اورقوی تر ہے لہٰذا ان دونوں میں معارضہ و مقابلہ جائز ہی نہیں لازماً صحیح تر اورقوی تر کو ہی اختیار کرنا ہوگا۔ ①

⑤ المحلیٰ شرح الموطأ میں شیخ سلام اللہ نے وَلَا یُحَرِّکُهَا کے الفاظ والی روایت کا ایک جواب مالکیہ کی طرف سے یہ بھی لکھا ہے:

(اِنَّهُ لَا یُخَالِفُ مَا قَبْلَهُ لِأَنَّهُ تَرَکَ لِبَیَانِ اَنَّهُ لَیْسَ بِوَاجِبٍ)②

''یہ اپنے ماقبل کے مخالف نہیں کیونکہ انھوں نے یہ بات واضح کرنے کیلئے حرکت کوترک کیا کہ یہ حرکت دیناواجب نہیں ہے۔''

حاصل کلام:

ردِاشکالات اوران پانچ جوابات پر مشتمل تفصیلات کا حاصل یہ ہے کہ اشارے کو لا الٰہ الّا اللہ کے ساتھ خاص کرنے والی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے لہٰذا احادیث کے عموم کے پیشِ نظر اشارہ آغازِ تشہد سے ہی شروع کردینا چاہیئے اور یُحَرِّکُهَا کے لفظ والی صحیح حدیث کے پیشِ نظر سلام پھیرنے تک انگشتِ شہادت کوحرکت دیتے یعنی

---

① (المرعاة ٢ / ٤٧٩ ، تحفیق مشکوٰة ١ / ٢٨٧)

② (بحواله عون المعبود ٣ / ٢٨١)

اٹھاتے اور گراتے رہنا چاہیئے ۔اور اصولِ ترجیح کی رو سے یہی صحیح تر بات ہے کیونکہ کسی مسئلہ میں جب آئمہ وفقہاء کے اقوال مختلف ہوں تو ترجیح اس قول کو دی جاتی ہے جو اقرب الی النصوص ہونہ کہ اُسے جو اقرب الی العقل و الرأی ہو اور اس میں شک نہیں کہ غیر منصوص مسائل میں اجتہاد تو باعثِ اجر وثواب ہے اور نصوص سے مسائل کے استنباط میں بھی نتائج مختلف ہو جاتے ہیں جیسا کہ اس اشارہ والے مسئلہ میں ہے ایسی صورت میں جو جانب راجح ہو اس پر عمل کر لینا چاہیئے اور ساتھ ہی ساتھ ایسے مسائل میں کسی ایک صورت کو اپنانے پر اصرار کرنا اور اسی مسئلہ کے دوسرے رخ کو بالکل باطل قرار دینا تحقیقِ علمی کے خلاف ہے کیونکہ ایسا صرف منصوص مسائل میں ہی ہونا چاہیئے ۔

تورّک کے وقت ہاتھوں کی کیفیت:

آخری رکعت کے دونوں سجدوں سے فارغ ہوں تو بیٹھ جائیں ۔اس بیٹھنے کو قعدہ اخیرہ یا تشہدِ اخیر کہا جاتا ہے اور اس قعدہ کی کیفیت تقریباً وہی ہے جو قعدۂ اولیٰ یا تشہدِ اول کی ہے ۔البتہ پہلے قعدہ کی نسبت اس دوسرے میں تھوڑا سا فرق یہ ہے کہ پہلے میں تو بائیں پاؤں کو بچھا کر اس کے اوپر بیٹھا جاتا ہے جبکہ دوسرے یا آخری قعدہ میں ایسے نہیں بلکہ اسمیں ''تورّک'' کرنا مسنون ہے کہ بائیں پاؤں کو دائیں پنڈلی کے نیچے سے دائیں طرف نکال دیں ۔اور تورّک کس کس انداز سے بیٹھنے کو کہا جاتا ہے؟ اس کے کے بارے میں واردہ احادیث کو سامنے رکھتے ہوئے علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد میں تین طریقے ذکر کیئے ہیں اور تینوں کو احادیث سے ثابت کیا ہے جن کی تفصیل کا یہاں موقعہ نہیں یہاں ہم صرف بوقتِ تورّک ہاتھوں کی کیفیت بتانا چاہتے ہیں کہ تورّک کی شکل میں دایاں ہاتھ تو دائیں گھٹنے یا اس کے ساتھ

ہی ران پر رکھا جائے گا اور اس کی تین انگلیاں بند کر کے انگوٹھے اور درمیانی انگلی کا حلقہ یا دائرہ سا بنا کر انگشتِ شہادت ان کے اوپر رکھی جائے گی اور اس سے اشارہ کیا جائے گا جیسا کہ تفصیل گزری ہے۔

اور بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر رکھا جائے گا جو قعدۂ اولیٰ میں تو بالکل معمول کے مطابق انگلیاں کھول کر ہی رکھا جاتا ہے البتہ تورّک کی صورت میں اسے رکھنے کے انداز میں معمولی سا فرق ہے اور وہ یوں کہ بائیں ہاتھ کا پنجہ اس طرح گھٹنے پر ہوگا کہ گویا گھٹنے کو اوپر سے پکڑا ہوا ہے اور اسی کی طرف مائل رہیں گے گویا اپنا بالائی بوجھ بھی اسی پر ہی ڈالا ہوا ہے جیسا کہ صحیح مسلم و ابی عوانہ، ابو داؤد، نسائی اور دار قطنی میں حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

((كَانَ يُلْقِمُ كَفَّهُ الْيُسْرٰى رُكْبَتَيْهِ وَيَتَحَامَلُ عَلَيْهَا)) ①

''نبی ﷺ بائیں ہاتھ کی ہتھیلی سے بائیں گھٹنے کو پکڑ لیتے اور اسی کی طرف جھکاؤ رکھتے تھے۔''

اس طرح عام قعدہ کی نسبت تورّک کی حالت میں بائیں ہاتھ کی کیفیت بدل جاتی ہے۔ واللہ الموفق

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابو حسان محمد منیر قمر نواب الدین

ترجمان سپریم کورٹ الخبر

وداعیہ متعاون مراکز دعوت و ارشاد

الخبر، الظہران، الدمام (سعودی عرب)

① (مسلم ۳/۵/۷۹، ۸۰، صفۃ الصلوٰۃ ص: ۱۰۸)

مصادر و مراجع

١ القرآن الكريم

٢ ارواء الغليل للالبانی

٣ أحكام الجنائز للالبانی

٤ آثار السنن شوق نیموی

٥ ابكار المنن للمباركفوری،المعروف فتاویٰ شامی

٦ الاحسان،صحیح ابن حبان

٧ بلوغ الأماني للبنا

٨ بلوغ المرام لابن حجر

٩ بدائع الفوائد لابن القيم

١٠ بهشتی زیور للتهانوی

١١ التحقيق الراسخ للكوندلوی

١٢ تحقيق مشكوٰة للالبانی

١٣ تذكره الحفاظ للذهبی

١٤ تنوير الحوالك للسيوطی

١٥ تحفه الاحوذی للمباركفوری

١٦ تلخيص الحبير لابن حجر

١٧ التقريب لابن حجر

١٨ تفسير ابن كثير

١٩ التعليق الممجد للكنوی

٢٠ تحریك آزادئ فكر للسلفی

٢١ ثلاث رسائل فی الصلوٰة لابن باز

٢٢ الجوهر النقي لابن التركمانی

٢٣ حقيقة الفقه ليوسف جے فوری

٢٤ رد المحتار علی دُرّ المختار

٢٥ المسائل للمروزی

٢٦ زاد المسير لابن الجوزی

٢٧ زاد المعاد لابن القيم

٢٨ سنن ابی داؤد

٢٩ سنن الترمذی

٣٠ سنن النسائي

٣١ سنن ابن ماجة

٣٢ صحيح ابن خذيمة

٣٣ مصنف ابن ابی شيبة

٣٤ سنن البيهقی

٣٥ سنن الدارمی

٣٦ سبل السلام للصنعانی

٣٧ الأحاديث الصحيحة للالبانی

٣٨ شرح الزرقانی

٣٩ شرح النووی

٤٠ صحيح البخاری

٤١ صحيح مسلم

٤٢ صحيح الجامع للالبانی

٤٣ زوائد صحیح ابن حبان ،الموارد
٤٤ صحیح سنن الترمذی
٤٥ صفة الصلوٰة للالبانی
٤٦ ضعیف الترمذی
٤٧ ضعیف سنن ابن داؤد
٤٨ ضعیف سنن النسائی
٤٩ عون المعبود للعظیم آبادی
٥٠ عمدة القاري للعینی
٥١ غنیة الطالین للجیلانی (مترجم اردو)
٥٢ الفتح الربانی للجیلانی،مراجعه و تهذیب:محمد منیر قمر
٥٣ فتح الباری لابن حجر
٥٤ فقه السنه لسید سابق
٥٥ فتح الغفورعلامه محمد حیات سندھی
٥٦ مشکوٰة للتبریزی،مولانا حافظ عبدالمنان نور پوری
٥٧ المیزان للشعرانی
٥٨ المحلّٰی لابن حزم
٥٩ المجموع للنووی
٦٠ المنتقی للمجد ابن تیمیه
٦١ مسائل الامام احمد
٦٢ المرعاة للرحمانی
٦٣ المغنی لابن قدامه
٦٤ مسند احمد

٦٥ مسند الحمیدی

٦٦ مسنون نماز کلاں للصوفی

٦٧ موطأ امام مالك

٦٨ معجم الطبرانی

٦٩ مجمع الزوائد للھیثمی

٧٠ مراسیل ابی داؤد

٧١ مستدرك الحاکم

٧٢ مردوزن کی نماز میں عدمِ فرق

٧٣ نیل الاوطار للشوکانی

٧٤ نصب الرایة للزیلعی

٧٥ نماز میں ہاتھ اٹھانے اور باندھنے کی کیفیت

٧٦ هفت روزه الاعتصام ،لاهور .

الشیخ محمد منیر قمر حفظہ اللہ

(ترجمان سپریم کورٹ الخبر ، سعودی عرب)

کی چند علمی و تحقیقی تالیفات وتراجم

- ذکر الٰہی
- سیرت امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم
- رفع الیدین
- آمین
- احکام مساجد
- تارک نماز
- اذان واقامت
- اسیران جہاد
- دین کے تین اہم اصول
- دعوت الی اللہ اور داعی کے اوصاف
- قبولیت عمل کی شرائط
- مختصر مسائل واحکام حج وعمرہ
- احکام رمضان وروزہ



مکتبہ کتاب وسنت